المكتبة العامة لندوة العلماء
« مكتبة العلامة شبلي النعماني »
ندوة العلماء - لكهنؤ، الهند

نام مصنف	نام کتاب	نمبر
امین الدین شجاع الدین	تعمیر حیات	۹۵۳۹ / ۱۵۶۲۲۴
دستخط	نومبر - دسمبر ۲۰۰۵ء جنوری - اکتوبر ۲۰۰۶ء	فن جرائد

پندرہ روزہ

تعمیر حیات

اشاعت کا ۳۳ واں سال

اللہ تو تمہاری مدد سے بے نیاز ہے

یاد رکھئے کہ خدا تعالیٰ اپنے کلمۂ توحید کی حفاظت کے لئے ہم مسلمانوں کی اعانت کا محتاج نہیں ہے، بلکہ ہم اس کے فضل کے محتاج ہیں، اس تیرہ سو برس کے اندر اسلام میں کتنی قومیں آئیں اور اپنی اپنی باری سے اسلام کی حفاظت کا فرض ادا کر گئیں، اگر اس آخری آزمائش میں بھی ہم پورے نہ اترے تو کیا عجب ہے کہ قدرت الٰہی اپنے دین مبین کی حفاظت کے لئے دوسروں کو چن لے اور ہم کو اسی طرح اپنے دروازے سے مطرود و مردود کر دے، جس طرح ہم سے پہلے بہت سی قومیں ہو چکیں ہیں ﴿یآیہا النّاس انتم الفقرآء إلی اللہ واللہ ہو الغنی الحمید، إن یشا یذہبکم ویأت بخلق جدید وما ذلک علی اللہ بعزیز﴾ ''اے لوگو تم اللہ کے فقیر و سائل ہو اللہ تو تمہاری مدد سے بے نیاز ہے اگر وہ چاہے تو تم سے اپنا رشتہ کاٹ لے اور ایک دوسری مخلوق کو پیدا کر دے اور اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے''۔

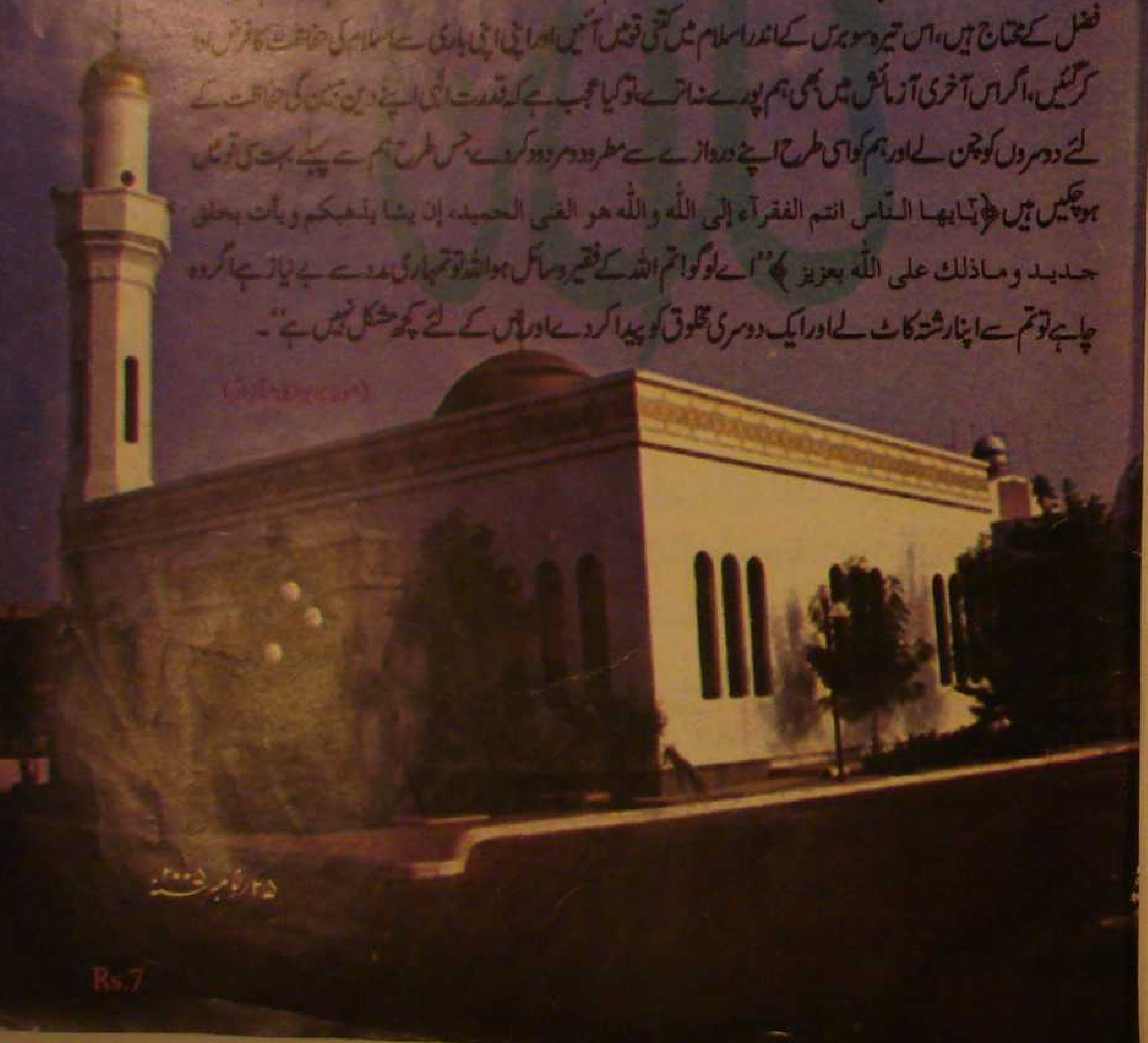

۲۵ نومبر ۲۰۰۰ء

Rs.7

اب مسلمان

امت ہونے کی صفت کھو چکے ہیں

امت کسی ایک قوم اور علاقے کے رہنے والوں کا نام نہیں ہے بلکہ سیکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جڑ کر اُمت بنتی ہے، جو کوئی ایک قوم یا ایک علاقہ کو اپنا سمجھتا اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے وہ امت کو ذبح کرتا ہے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے اور امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہلے خود ہم نے ذبح کیا ہے یہود و نصاری نے تو اس کے بعد کٹی کٹائی امت کو کاٹا ہے، اگر مسلمان اب بھی امت بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی، ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کر سکیں گے لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمہارے ہتھیار اور تمہاری فوجیں تم کو نہیں بچا سکیں گی۔

اب مسلمان امت ہونے کی صفت کھو چکے ہیں جب تک یہ امت بنے ہوئے تھے چند لاکھ ساری دنیا پر بھاری تھے، یہ امت اسی طرح بنی تھی کہ ان کا کوئی آدمی اپنے خاندان، اپنی برادری، اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنی زبان کا حامی نہ تھا، مال و جائداد اور بیوی بچوں کی طرف دیکھنے والا بھی نہ تھا بلکہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ و رسول کیا فرماتے ہیں امت جب ہی بنتی ہے جب اللہ و رسول کے حکم کے مقابلہ میں سارے رشتے اور سارے تعلقات کٹ جائیں، جب مسلمان ایک امت ہے تو ایک مسلمان کے کہیں قتل ہو جانے سے ساری امت ہل جاتی تھی اب ہزاروں، لاکھوں کے گلے کٹتے ہیں اور کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔

(حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ)

(۲۵ر نومبر ۲۰۰۵ء)

9539
156237

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات
اشاعت کا ۴۳واں سال

جلد نمبر ۴۳	۲۵ر نومبر ۲۰۰۵ء مطابق شوال المکرم ۱۴۲۶ھ	شمارہ نمبر ۱

اس شمارے میں

چراغ راہ:		
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	۲
اداریہ:		
پروفیسر عبدالحلیم ندوی	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
گل ہائے عقیدت:		
فارسی زبان میں نعت کا ارتقاء	جناب محمد شفیق اختر	۴
حمد:		
اس کا جلوہ عیاں عیاں ہے	صبا رحیمی	۶
ذکر و فکر:		
اور بند ٹوٹ گیا	جناب مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب	۷
سفر نامہ:		
دو ہفتہ مصر و شام میں	پروفیسر محمد اجتباء ندوی	۹
مطالعہ:		
''تکررات قرآن'' ایک تعارف	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	۱۴
اسلام اور مغرب	اے۔ایچ۔نعمانی	۱۷
نعت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم	تسنیم فاروقی	۲۱
متفرقات		
فقہی سوال و جواب	مفتی محمد طارق ندوی	۲۲
اے قافلے والو!	سیماب اکبرآبادی	۲۲
پروفیسر عبدالحلیم ندوی: معلم محقق اور ادیب	پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی	۲۳
پروفیسر عبدالحلیم ندوی: عربی زبان و ادب کے ممتاز عالم و محقق	پروفیسر محمد اجتباء ندوی	۲۶
بابو بھائی مہتا	مولانا شمس الحق ندوی	۲۸
عربی زبان: عرب و ہندوستان کے تعلقات کا موثر وسیلہ		۳۱

زیر سرپرستی:
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی:
حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیمات، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام: مولانا شمس الحق ندوی
رئیس التحریر: امین الدین شجاع الدین
معاون: ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی
معاون: محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
- مولانا نذر الحفیظ ندوی
- مولانا عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

سالانہ زر تعاون ۱۵۰ر ——— فی شمارہ ۷ر
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک کے لئے ۳۵ر ڈالر
ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ:
Tameer-e-Hayat
P.O.Box No. 93 Tagore Marg, Badshah Bagh Lucknow-7
فون: دفتر 18 (Ext) 2787250 (0522)

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے
مضامین و مندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط و کتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

آپ کے پتہ کے کنارے خریداری نمبر کے نیچے کالی یا لال لکیر ہے تو سمجھے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلد ہی زر تعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر ضرور لکھیں۔ (منیجر)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد آفسٹ نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

(''نئی دنیا (امریکہ) سے کچھ صاف صاف باتیں'' سے ماخوذ)

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اس ملک کی نہیں بلکہ انسانیت کی یہ بدقسمتی ہے کہ اس ملک نے تنہا مادی میدان میں فتوحات حاصل کیں اور اس میں ریکارڈ قائم کردیا اس نے اس زمین کو گلزار لالہ زار بنا دیا بڑی خوش قسمتی کی بات ہوتی اور دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی اگر اس خطۂ زمین کو صحیح رہنمائی حاصل ہوتی اور اس کو دین صحیح کی نعمت ملی ہوتی، اور جس طرح اس نے مادیات کی طرف توجہ کی اخلاقیات کی طرف توجہ کرتا، اور جس طرح اس نے آفاق میں خدا کی نشانیاں دیکھی ہیں، اور "سنریھم آیا تنافی الآفاق" پر عمل کیا ہے، ویسے ہی ''اَنفس'' خدا کے پیدا کئے ہوئے دل، عطا کی ہوئی روح، اور لطیف احساسات میں بھی خدا کی نشانیاں دیکھتا اور دنیا کو دکھاتا، اس کی ذہانت صرف اس پر مرکوز نہ رہتی کہ وہ قدرت کے رازہائے سربستہ فاش کرے بلکہ وہ اپنے دل اور روح کے اسرار اور انسانی دل کی گہرائیوں سے بھی واقف ہوتا اور اس کو معلوم ہوتا کہ جتنی یہ کائنات وسیع نظر آتی ہے، اور سیاروں کا اس نے جو رقبہ و حجم دریافت کیا، جن جن چیزوں کا اس نے انکشاف کیا اور اب آخر میں چاند پر پہنچ کر ایک اور نئی فتح حاصل کی ہے، اگر اسی تناسب سے یا اس سے بہت کم تناسب سے وہ انسانی روح کی حقیقت کی طرف توجہ کرتا اور اسے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہوتی اور انسانی قلب انسانی روح کی حقیقت کی طرف توجہ کرتا اور اسے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہوتی اور انسانی قلب کی وسعت، طاقت، حرارت، محبت اور اس کی لطافت اور معصومیت، بے لوثی اور بے غرضی کو بھی معلوم کرتا، وہ قلب کو بیدار کرنے کی کوشش کرتا اور اس کے اندر کی طاقتوں سے آشنا ہوتا اور ان سے کام لینے کی اس کو توفیق ہوتی، اس وقت اس کو معلوم ہوتا کہ یہ پوری کائنات اگر دل کے اندر ڈال دی جائے تو گم ہو جائے جس طرح ایک حقیر کنکری بحر اوقیانوس میں ڈال دی جائے اور پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی، اس کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا کہ انسان کیا ہے، اس کو جمادات، حیوانات، نباتات کا مقام معلوم ہے، کیمسٹری پر، بیالوجی پر، زیالوجی پر اس نے جو محنتیں کی ہیں، اور اپنی ذہانت صرف کی ہے، اور جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی o وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی o ثُمَّ یُجْزٰہُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰی o (النجم: ۳۹-۴۰-۴۱)

''انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔''

فرمایا:

كُلًّا نُمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا o (بنی اسرائیل-۲۰)

''ہم ان کو اور ان سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش سے مالا مال کر دیتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی سے رکی ہوئی نہیں۔''

انسان اپنی کوشش کے لئے جو میدان بھی انتخاب کرے گا خدا کامیابی دے گا یہاں کوئی ''راشننگ'' نہیں ہے کوئی بندش نہیں ہے کہ یہاں سے آگے تم ترقی نہیں کر سکتے، قوانین قدرت اور طبیعاتی کائنات پر مغرب نے جو محنت صرف کی ہے، اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ یہ کائنات سمٹ کر رہ گئی ہے، اور انسان نے اپنے مقاصد و مفادات کے لئے اس کو مسخر کرلیا ہے، اسی طریقے سے روح، قلب اور ایمان و یقین پر اگر یہ ملک محنت کرتا اور اپنی ذہانت صرف کرتا تو اس کو انسانیت کا صحیح مقام معلوم ہوتا ایک درخت پر جب اس نے محنت کی تو اس نے درخت سے وہ برآمد کیا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، اس طریقے سے علم الکیمیا (CHEMISTRY) طبعیات (PHYICS) نباتات (BOTANY) پر جب اس نے محنت کی تو نئے عالم دریافت کئے، پہلے تو اس عالم کے علاوہ دوسرے عالم کو ماننے میں بھی لوگوں کو بہت ہی اشکال تھا، اور جو لوگ یہ کہتے تھے کہ اس دنیا کے علاوہ اور بھی دنیائیں ہیں تو کلیسا نے انھیں بڑی سخت سزائیں دیں، لیکن اب ہر چیز میں نئی نئی دنیا دریافت ہو رہی ہے، اسی طرح اگر اس کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا، اگر شرف انسانی سے یہ واقف ہوتا کہ خدا نے انسان کو کیا درجہ دیا اور اس کا کیا مقام ہے، تو آج دنیا کی قسمت کچھ اور ہوتی، دنیا کے حالات کچھ اور ہوتے۔

پروفیسر عبدالحلیم ندوی گورکھپوری

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی (مدظلہ)

محترمی ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بڑے ممتاز فرزندوں میں سے تھے انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم کے دوران علم و ادب میں ترقی کرنے میں کمال پیدا کرنے کا جو جذبہ حاصل کیا، اور علمی و ادبی ترقی کا جو آغاز کیا تھا، اس میں وہ بلند معیار تک پہنچے، انہوں نے عربی زبان و ادب کو اپنا خصوصی موضوع بنایا، اس میں تدریس و تحقیق و تصنیف کا نہایت قابل قدر کام انجام دیا، آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ عربی سے وابستہ رہے اس درمیان ایک سال مصر میں قیام کیا۔ انھوں نے ندوۃ العلماء کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ اور علی گڑھ سے ڈگری حاصل کی اور پھر واپسی پر جامعہ ملیہ دہلی میں صدر شعبۂ عربی رہے اور اس کے بعد حیدرآباد میں بیرونی زبانوں کے اعلیٰ تعلیمی ادارے میں بھی صدر شعبۂ عربی رہے، شام و علمی حلقوں سے تعلق بھی رہا، اور وہاں کے علمی رجحانات اور افکار کا بھی مطالعہ کیا، اور اپنی بیش قیمت تصنیفات کے ذریعہ سے وہاں قدر دانی حاصل کی، اور دمشق کے اعلیٰ بین الاقوامی ادارہ تحقیق اور عربی مجمع علمی دمشق کے ہندوستان کے نمائندہ اور رکن منتخب ہوئے جس پر ان سے قبل مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب اور ان سے قبل مولانا سید سلیمان ندوی صاحب فائز ہوئے تھے، یہ ان کے عربی زبان و ادب میں باکمال ہونے کی دلیل تھی، انہوں نے اپنے تعلیمی کام کی مدت میں بڑے باصلاحیت شاگرد تیار کئے، اور اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو عربی میں استعداد پیدا کرنے میں مفید ترین رہنمائی کی، ان میں اپنے تعلق والوں کو علمی میدان میں آگے بڑھانے کا بڑا جذبہ تھا، انہوں نے ندوۃ العلماء سے جو علمی شوق حاصل کیا تھا، اس کی قدردانی میں ندوۃ العلماء کو برابر یاد رکھا، اور اس سے اپنے رشتہ کو برابر قدر کی نگاہ سے دیکھا، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ندوۃ العلماء میں ان کے جو رفقاء تھے ان میں سے چند در چند علمی و تحقیقی کام میں ممتاز ہوئے ان کے رفقاء میں جامعۃ الرشاد کے مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی، ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب ندوی، ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ کے سابق استاذ اور ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی اور پاکستان میں سابق وزیر امور دینی مولانا سید وصی مظہر صاحب ندوی اور اس طرح ممتاز علمی شخصیتوں کے مالک حضرات ہوئے جہاں تک راقم الحروف کا تعلق ہے تو اس کے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی بھی ان کے رفقاء میں تھے اس تعلق سے وہ مجھ سے بھی محبت فرماتے تھے اور میں ان کو دوسرے تعلق سے دیکھتا تھا ایک تو ندوہ کا فرزند ہونے کا دوسرے میرے بڑے بھائی کی ان کے ساتھ تعلیمی رفاقت کا، مرحوم کا انتقال اگرچہ بڑی عمر میں ہوا جس میں انتقال کو کوئی اچانک حادثہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ بڑی عمر کا طبعی نتیجہ سمجھا جاتا ہے لیکن اس دنیا سے جانے والے کے کمالات اور اس کا لوگوں کو فائدہ پہنچانے اور زندگی کی ضروری خصوصیات و امتیازات میں نمایاں حصہ ہونے پر اس سے حاصل ہونے والا جو فائدہ ہوتا ہے اس کے انقطاع کو خسارہ محسوس کیا جاتا ہے اسی بنیاد پر ہم اور ان کے دیگر قدرداں ان کے انتقال کو ایک خسارہ سمجھتے ہیں یہ خسارہ صرف ایک ممتاز علمی شخصیت کے ہم سے جدا ہو جانے کے احساس کے ساتھ یہ احساس بھی ہے کہ وہ ہمارے ندوۃ العلماء کے حلقہ کا بطور خاص خسارہ ہے، ہم ان کے لئے مغفرت اور رحمت کے لئے دعا کرتے ہیں اور یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ ان کے رخصت ہونے سے جو خسارہ ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرمائے۔

مرحوم نے متعدد قیمتی تصنیفات طالبان استفادہ علمی کے لئے چھوڑیں جن میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں: (۱) تاریخ ادب عربی (۲) نہایۃ الادب (۳) المراکز العلمیہ وغیرہ جن کی افادیت و اہمیت کو ممتاز علمی حلقوں نے بھی سراہا ہے اور جو طالبانِ استفادہ علمی کے لئے بہترین اور معیاری ہیں۔ مرحوم عرصہ سے بیمار رہنے لگے تھے اور بیماری کے بڑھنے پر وہ اپنے علمی مشغولیت حسب سابق نہیں رکھ پا رہے تھے لیکن دہلی ہی میں جامعہ ملیہ کے علاقہ میں رہائش ہونے کی بنا پر جامعہ سے ان کا علمی ربط قائم رہا اور جامعہ کا علمی حلقہ ان سے عربی کے تحقیق و ریسرچ سے متعلق کاموں میں طلباء کے لئے رہنمائی و مشورہ کا فائدہ اٹھاتا تھا اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ان کے چھوڑے ہوئے علمی ورثاء کو علمی کام کرنے والوں کے لئے مفید ذریعہ بنائے۔ آمین

گلہائے عقیدت

فارسی زبان میں نعت کا ارتقاء

از: جناب محمد شفیق اختر

ایران علم وادب کا گہوارہ ہے بلکہ نہایت مردم خیز خطہ ہے یہاں بڑے بڑے قد آور اور قادر الکلام شعراء نے جنم لیا جن کی شہرت کے دنیا میں ڈنکے بجے، شاعری میں حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف اور مدح وستائش کی خوشبو ایران میں پہنچی۔ حضور ﷺ کے دور کے شعراء کعبؓ بن زہیر، حسانؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن رواحہ اور ان کے بعد کے شعراء میں البوصیری کے نعتیہ کلام کی شہرت ایران تک آ پہنچی وہاں کے شعراء کے دلوں میں بھی اس جذبے نے جوش پیدا کیا اور شعراء نے اپنے اپنے احساسات وجذبات اور محبت والفت، عقیدت ونیاز مندی کا اظہار اپنے اپنے انداز میں کیا۔ ابتداً مکمل طور پر کسی شاعر نے مکمل طور پر نعت نہیں کہی البتہ اپنی کتابوں کی ابتدا یا مثنوی یا قصیدہ کے شروع میں نعتیہ شعر کہنے شروع کیے لیکن جب ہم فارسی کلام کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ وہ شعراء جن کو فارسی شاعری میں بادا آدم اور بڑے بڑے القاب سے نوازا گیا ہے اور ان کی شہرت کے ڈنکے پوری دنیا میں بجے ان کے کلام میں نعتیہ اشعار ڈھونڈنے سے نہیں ملتے۔ بلکہ بہت بعد کے شعراء نے نعتیہ اشعار کہنے شروع کیے، البتہ مکمل نعت طویل عرصہ کے بعد بھی کسی شاعر نے نہیں لکھی۔

ایران میں کتاب ”نعت حضور اکرم ﷺ در شعر فارسی“ کے نام سے چھپی ہے جس کے مصنف سید ضیاء الدین دہشیری ہیں۔ اس کتاب میں مؤلف نے ۲۹ شعراء کے نعتیہ کلام کا انتخاب کیا ہے اور ساتھ ہی یہ تحریر کیا ہے کہ خاندان صفویہ کے برسر اقتدار آنے پر نعت کو رواج ملا۔

جبکہ اس تناظر میں ایران کے ایک بڑے محقق محمد خان قزوینی مرحوم کا وہ خط لائق مطالعہ ہے جسے براؤن نے اپنی مشہور کتاب ”اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا“ کی چوتھی جلد میں نقل کیا ہے۔

اردو ترجمہ: ”اس میں تو واقعی کوئی شبہ نہیں کہ عہد صفویہ میں ادب اور شعر بہت کچھ پست حالت میں تھے...... خصوصاً صوفیوں کے ساتھ وہ (صفوی) ہر طرح کی زیادتی کرتے تھے اور انھیں جلا وطن، شہر بدر، قتل، سب وشتم غرض ہر قسم کی تکلیف دیتے تھے اور اکثروں کو تو خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتے تھے یا مروا ڈالتے تھے اور زندہ جلا دیتے تھے۔ یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ ہر ملک میں خصوصاً سرزمین ایران میں ادب اور شعر اور صوفیت وتصوف کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور اس میں سے ایک کا زوال دوسرے کے زوال اور پستی کو مستلزم ہے، یہی وجہ تھی کہ خاندان صفویہ کے عہد حکومت میں علم، تہذیب شعر اور تصوف سرزمین ایران میں ناپید ہو گئے۔“

(تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید از پروفیسر ایڈورڈ، جی، براؤن۔ ترجمہ سید دہاج الدین احمد کثوری ناشر انجمن ترقی اردو ہند، دہلی ۱۹۳۹ء ص ۴۳۔۴۵)

البتہ مرثیہ گوئی کا اس خاندان کے دور میں بہت چرچا ہوا، حالانکہ اس خاندان سے بہت پہلے سنائی، خاقانی ودیگر شعراء، جن میں جامی کا نام بھی آتا ہے بڑی اعلیٰ نعتیں ملتی ہیں، اور نعت ہر دور میں مقبول رہی ہے۔ مؤلف نے بے جا خاندان صفویہ کو نعت کے مروج کرنے کا سہرا باندھا ہے۔

رودکی (م ۳۲۹ھ۔۹۴۱ء) کو صاحب دیوان ہونے کے باعث فارسی شاعری کا بادا آدم تسلیم کیا گیا ہے، جب کہ فارسی شاعری کا آغاز اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ رودکی اور دیگر قدیم شعراء کے کلام میں نعت کا شعر دکھائی نہیں دیتا اگر کہیں پر حضور اکرم کا اسم مبارک بر سبیل تذکرہ آگیا ہو تو شاید، بظاہر تو ایسا کم ہی ممکن ہے۔

فردوسی (م ۴۱۱ھ۔۱۰۲۰ء) کی مثنوی شاہنامہ ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے لیکن اس پوری مثنوی میں صرف ایک مرتبہ ہی حضورؐ کے ذکر کو کافی سمجھا گیا ”اگر تم برائیوں اور بلاؤں سے بچنا چاہتے ہو تو پیغمبر کے فرمان پر چلو“ اس کے بعد غضایری رازی (م ۴۲۶ھ۔۱۰۳۵ء) کے یہاں حضورؐ کے لئے ذکر پنجتن میں بہین خلق (افضل الخلائق) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرح اسدی طوسی (۴۶۵ھ۔۱۰۷۳ء) کا یہ نعتیہ مصرع ہے:

محمد است بہین ز انبیا و از اخیار

ان شعراء کے علاوہ ساسانی اور غزنوی ادوار کے قصیدہ گو شعراء ابوشکور بلخی، دقیقی، کسائی، مروزی، فرخی سیستانی، مسعودی غزنوی، عنصری، عسجدی اور منوچہری وغیرہم کے یہاں نعت والی کوئی بات نہیں ہے۔ گویا شاہی دربار سے وابستگی اور شاہی جلال اور حکومتی شان وشوکت سے دنیا کی رغبت حاصل ہوئی اور اقلام شاہان دربار کی مدح سرائی رقم کرنے میں مصروف رہے اور اس ذات مقدسہ جس کی تعریف رب العزت نے خود فرمائی ہے، کی تعریف وتوصیف کے لئے وقت میسر نہیں ہو سکا، دامن دنیا سے الجھا رہا اور شافع محشر سے چھوٹ گیا۔ فارسی شاعری کا جو ذخیرہ ہے اس میں مثنوی ”ویس ورامین“ (۱۰۵۴ء) میں سب سے پہلے جو نعت لکھی گئی وہ فخر الدین اسعد گرگانی کی ہے۔ اسعد گرگانی نے جو مثنوی لکھی ہے اس داستان کا تعلق قبل از اسلام کے ایران سے ہے اگر وہ یہاں نعت بھی نہ لکھتے تو اس بات کی منہ بولتی تصویر ہے اور پختہ دلیل ہے کہ اسعد کو حضور ﷺ سے حقیقی محبت اور وابستگی ہے۔ اسعد کی زبان رواں اور سادہ ہے، کیوں کہ یہ وہ دور تھا جب ایران کے شاعر عربوں کی تقلید تو کر رہے تھے مگر پوری طرح عربی فارسی پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی، بقول ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا کے یہاں اس کے تشبیہات واستعارات بھی زیبا ہیں جن میں سے بیشتر فارسی ادب میں تازگی اور نئے پن کے حامل ہیں“ اسعد نے نعت میں حضور ﷺ کی تشریف لانے سے قبل عربوں کی جہالت اور گمراہی کی بڑی بچی تصویر سیدھے سادے انداز میں کھینچی ہے جو نہایت پر اثر ہے۔ وہ حضورؐ کی آمد کو انسانیت کے لئے رحمت سمجھتا ہے کہ آپ کے آنے سے ہر طرف نور پھیل گیا ہے اور جہالت کے تاریک سائے ختم ہو گئے۔ اسد حضور کو انسانوں کے لئے سچائی کا آفتاب سمجھتے ہیں۔ اسد اس معاملے میں وہ پہلا شاعر ہے جس نے حضورؐ کی عملی زندگی دکھائی ہے اس نے عرب کی جہالت کے ساتھ حضورؐ کا قرآن سنا کر لوگوں کو متوجہ کرنا اور جنگ بدر اور خیبر کے نتائج سے ثابت کیا ہے کہ لوگ سمجھ گئے کہ واقعی یہ خدائی معاملہ ہے اسد نہایت سیدھے معصومانہ انداز میں بیان کرتا ہے کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے پیارے رسول ﷺ سے نوازا۔ اگرچہ ایران کا یہ دور نعت گوئی کا عبوری دور تھا جس میں عرب کے شعراء کی تقلید کی گئی۔ ابوالحسن بن جولوغ فرخی سیستانی (۴۱۹ھ) کو تشبیب یا غزل کہنے میں کمال حاصل تھا۔ انھوں نے باقاعدہ اور مکمل طور پر کوئی نعت نہیں کہی لیکن حضورؐ سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار اس طرح کیا۔

شگفت نیست کہ از مداح او بزرگ شوم
کہ از مدیح محمد بزرگ شد حسان

نعت کے اس عبوری دور میں ایران کے شاعر حکیم کسائی (م ۳۴۱ھ۔۹۵۲ء) کہتے ہیں:

”ایں دین ھدیٰ را بمثل دائرہ داں
پیغمبر ما مرکز وحید خط پرکار“

غزنوی دور کے نامور شعراء عنصری (۴۳۱ھ۔۱۰۳۹ء) اور فردوسی (۳۳۰ھ۔۹۴۱ء تا ۱۰۲۰ء) نے بسیار تلاش کے بعد اکا دکا نعتیہ اشعار کہے ہیں۔

سلجوقی دور میں ابوسعید ابوالخیر (۳۵۷ھ۔ تا ۹۶۷ء تا ۴۴۰ھ۔۱۰۲۰ء) کی رباعیات میں حضورؐ کے فضائل سے متعلق ارشادات ملتے ہیں۔ نعتیہ اشعار پہلے قصائد کی ابتدا میں لکھے جاتے ہیں لیکن بعد میں عاشقان رسول ﷺ نے نعتیں لکھنا شروع کر دیں۔ فارسی زبان میں نعت کا گراں مایہ سرمایہ موجود ہے جو پر جوش، پر تاثیر اور پر سوز ہے اس کی بڑی وجہ تصوف ہے۔ جن لوگوں کو رسول عربی سے والہانہ عشق کی سعادت نصیب ہوئی انھیں نعت گوئی میں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اس لحاظ سے ہم تصوف کو نعت کا سرچشمہ کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا صوفی شعراء کا ذکر بھی بہت ضروری ہے۔

سنائی (م ۵۱۵ھ۔۱۱۳۰ء) نے حضور کی شان میں پرزور قصیدے بصورت نعت کہے۔

خاقانی (۵۲۰ھ۔۱۱۲۶ء تا ۵۹۵ھ۔۱۱۹۸ء) نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد چار نعتیں کہی ہیں۔

نظامی گنجوی (۵۳۵ھ۔۱۱۴۰ء تا ۵۹۹ھ۔۱۱۹۸ء) کی شہرت غیر فانی پانچ مثنویاں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد حصول برکات کے لئے اپنے کلام کو نعتوں سے زینت بخشی۔

خواجہ فرید الدین عطار (۶۲۷ھ۔ تا ۱۲۹۴ء) کے اکثر قصائد نعت اور پند ومعرفت پر مشتمل ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی نے (۶۰۴ھ۔۱۲۰۷ء تا ۶۷۲ھ۔۱۲۷۳ء) ان کی مثنویوں کے ہر باب میں حضور ﷺ کی ذات، صفات اور تعلیمات سے متعلق اشعار کہے ہیں اور عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے۔

عراقی (۶۰۶ھ۔۱۲۰۹ء تا ۶۸۸ھ۔۱۲۸۹ء) اکابر صوفیاء میں تھے انھوں نے اپنے دیوان کو نعت کے (۲۹) اشعار سے زینت دی

سعدی فارسی کے عظیم ترین شاعر تھے، ان کے کلام کو جاودانی حیثیت حاصل ہے ان کی بوستان میں جو نعت ملتی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت اور احترام کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ کا اسم مبارک استعمال کرنے کے بجائے صفاتی اسماء استعمال کیے ہیں۔

امیر خسرو (۶۱۰ھ۔۱۲۰۴ء تا ۷۲۵ھ۔۱۳۲۵ء) نے بھی اپنی ہر مثنوی کی ابتداء حمد باری تعالیٰ کے بعد نعت رسول مقبول ﷺ سے کی ہے۔ آپ نے معراج حضور ﷺ پر اشعار کہے اور حضورؐ کی تبلیغ کے اثرات پر مسحور کن اشعار کہے ہیں۔

اوحدی مراغہ ای (نواح ۶۷۰ھ۔۱۲۴۱ء تا ۷۳۸ھ۔۱۳۷۶ء) نے اپنے دیوان میں ایک نہایت پرسوز بعنوان ”در آرزوئے کعبہ وزیارت مرقد رسول“ لکھی ہے، اس میں شاعر نے اپنی وابستگی اور تمناؤں کا اظہار بڑے جذبہ وشوق اور عالم وارفتگی سے کیا ہے۔

خواجہ کرمانی (۶۷۹ھ۔۱۲۸۰ء تا ۷۵۳ھ۔۱۳۵۲ء) کی پانچوں مثنویوں اور دیوان کے آغاز میں نعتیں ملتی ہیں۔

سلمان ساوجی نواح (۷۰۰ھ۔۱۳۰۱ء تا ۷۷۸ھ۔ ۱۳۷۶ء) کی مثنوی فراک نامہ میں "در ستائش پیغمبر" کے عنوان سے ایک دل آویز نعت بصورت ترکیب بند موجود ہے۔

جامی (۸۱۷ھ۔۱۴۱۴ء تا ۸۹۸ھ۔۱۴۹۲ء) کا مرتبہ بحیثیت نعت گو بہت بلند ہے، انھوں نے عشق نبوی سے سرشار ہو کر سوز وفراق، ہجر ووصال کے والہانہ جذبات کا اظہار کیا ہے، ان کی متعدد نعتیں آج بھی نعت خوانوں اور قوالوں کی زبان زد ہیں۔

فیضی (۹۵۴ھ۔۱۵۴۷ء تا ۱۰۰۰ھ۔۱۵۹۵ء) کی نعتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جھلکتی دکھائی دیتی ہے اور بلند خیالی بھی ملتی ہے۔

عرفی (۹۲۳ھ۔۱۵۵۵ء تا ۹۹۹ھ۔۱۵۹۰ء) کے نعتیہ اشعار بہت زوردار ہیں۔

محمد جان قدسی (م ۱۰۲۶ھ۔۱۶۳۶ء) سے منسوب ایک نعت "مرحبا سید مکی مدنی العربی" اہل تصوف کی محفلوں میں بڑے ذوق اور شوق سے سنی جاتی ہے۔

بیدل (۱۰۵۴ھ۔۱۶۴۴ء تا ۱۱۳۳ھ۔۱۷۲۰ء) کی مثنوی طلسم حیرت میں ایک نعت بدیع ہے جس میں بیدل کی حضورؐ سے والہانہ عقیدت نمایاں ہے۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب (۱۲۱۲ھ۔۱۷۹۴ء تا ۱۸۶۹ء) کی فارسی کلیات میں غالبؔ کی حضورؐ سے عقیدت ومحبت کا والہانہ جوش وخروش پایا جاتا ہے۔

آخری دور میں سرسید احمد خان نے بھی نعت گوئی کی ان کی ایک نعت بہت مشہور ہے۔

غلام قادر گرامی (۱۲۸۵ھ۔۱۸۶۸ء تا ۱۳۴۶ھ۔۱۹۲۷ء) کا نعتیہ کلام حضورؐ کی محبت سے معمور ہے۔اس طرح مسعود علی کی نعتیں بھی شاعر کے احساسات کی ترجمان ہیں۔

علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ء) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ لگاؤ تھا اس محبت سے ان کا سارا کلام منور وروشن ہے۔علامہ اقبال حضور کا نام سنتے ہی اشکبار ہو جاتے تھے۔علامہ اقبال نے جس انداز سے شعر کہے ہیں ان کی مثال شاید ہی کہیں ملے، ان کے نعتیہ کلام نے ایک سوئی ہوئی قوم کے مردہ دلوں کو بیدار کر کے حرکت دی اور زندگی سے ہم کنار کر کے جذبۂ عشق رسولؐ بیدار کیا ۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ ست
آبروئے ما زنام مصطفیٰ ست

فارسی کے چند نعتیہ اشعار ۔

چہ بخشایندہ و مشفق خدائیست
چہ نیکو کار وچہ رحمت نمائیست

●●●

حمد

اس کا جلوہ عیاں عیاں ہے

صابرؔ رحیمی

بچودھاوندمی کلاں، لیس نگری یوپی

تمہارے سر کے چہار جانب ہی اس کا جلوہ عیاں عیاں ہے
اسے جو ڈھونڈو خلوصِ دل سے نظر میں سب کی نشاں نشاں ہے

گلاب، چمپا، چمن ،چمیلی، وہ چشمِ نرگس نئی نویلی
کریں گے حمد خدائے برتر چمن میں رنگِ اذاں اذاں ہے

کھڑے ہیں جبلِ عظیم کب سے انھیں کسی نے کھڑا کیا ہے
کہ قطرہ قطرہ ہے موج دریا نہ جانے کب سے رواں دواں ہے

مسکراتے غنچے، وہ ہنستی کلیاں، فضا میں جس کی عجب لطافت
وہ شیریں کوئل کہک رہی ہے کہے گلوں سے خزاں خزاں ہے

ہے تیری مٹھی میں ساری دنیا یہ ذرّہ ذرّہ بتا رہا ہے
سنامی لہریں دکھا گئی ہیں فنا ہی سارا جہاں جہاں ہے

یہ انس وجن کیا پرند وحیواں زمیں پہ سب تو لئے ہوئے ہیں
نگاہ رحمت عجیب تیری ثنا میں سب کی زباں زباں ہے

ملا ہے شاہ وگدا کو رب سے نصیبہ جس کا رہا ہو جو بھی
محل، حویلی وکاخ بنگلہ، بشکل در وہ مکاں مکاں ہے

ہو نور ایماں سے دلِ منور کلام رب کو پڑھا کریں گے
دلِ مسلماں پہ کفر صابرؔ یہاں کا گوشہ بتاں بتاں ہے

"اور بند ٹوٹ گیا"

جناب مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب ناگپور-۸

ملک سبا، یہ وہی ملک ہے جہاں حضرت سلیمانؑ کی نبوت کے دور میں بلقیس نامی ملکہ حکومت کرتی تھی، اس نے اسلام کو قبول کرنے کے بعد اپنے ملک میں حضرت سلیمانؑ کے ماتحت بہت سے ترقی کے منصوبے بنائے، اس میں سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ سد مآرب نام کا ایک زبردست بند (DAM) اس نے بنوایا تھا، جھیلوں، تالابوں، نہروں کا پانی ایک جگہ روک کر جمع کیا اور ایک نہایت مضبوط آڑ قائم کی اور اس سے پانی کی سپلائی کے لئے کئی کھڑکیاں رکھیں تاکہ پورے علاقہ میں ضرورت کے مطابق رعایا کو پانی ملتا رہے جس کے سبب ملک ہرا بھرا ہو گیا، یہاں تک کہ مکانات کی تعمیر میں دونوں جانب دائیں بائیں باغ لگائے جاتے اور پورے ملک میں دوطرفہ پکی سڑکیں بنائی جاتیں شاہراہ (بڑی سڑکوں) کے دونوں طرف نہریں جاری کردی جاتیں تاکہ ناؤ کے ذریعہ بھی سفر ہو اور سڑک کے ذریعہ بھی سفر کو پورا کیا جاسکے، پھر باغ کی دوطرفہ لائن اور بیچ بیچ میں مکانات کا ایسا نظم کیا کہ موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں بھی کسی ملک میں ایسی خوبصورتی کی مثال نہیں ملتی۔ جیسا کہ قرآن مجید نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ (سورہ سبا:۱۵)

"ملک سبا والوں کے لئے ان کے رہائشی مکانوں کے دونوں طرف دائیں بائیں بازو کی جگہیں ہرے بھرے باغیچوں کی قطار میں ان کے لئے ہمارا نشان ہر جگہ موجود تھا، ہم نے یہ فرمان جاری کیا کہ اپنے رب کا رزق کھاؤ پیو اور شکر بھی ادا کئے جاؤ، صاف ستھرا پاکیزہ شہر پا کر مغفرت فرمانے والے پروردگار کو مت بھولنا۔"

ملک اُجڑ گیا

مگر جب عوام اور خواص نے نعمتوں کے عطا کرنے والے کے فرمان پر دھیان نہ دیا اور اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرنا چھوڑ دیا اور ناشکری ونافرمانی پر اتر آئے تو پانی کا بند ٹوٹ گیا جس نے پورے ملک کو اجاڑ دیا، اس کی نافرمانی اور اس کا انجام درج ذیل آیت میں دیکھیں۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝

(سورہ سبا:۱۶-۱۷)

"جب ہمارے فرمان کو دھیان میں نہ لائے تو ہم نے ان پر زور کے پانی کا سیلاب چھوڑ دیا اور ان کے دائیں بائیں باغ کی قطاریں اجاڑ کر رکھ دیں پھر ان باغات میں بدمزہ پھل اور تھوڑی سے بیریاں کچھ کڑوے جنگلی جھاڑ جھنکار کے سوا کچھ نہ رہا اور ایسے ناشکرے لوگوں کو ہماری طرف سے یہ سزا ملنی ہی چاہئے تھی یہ بدلہ تھا ان کی ناشکری کا ہم ناشکروں کے سوا اس طرح کسی قوم کو اجاڑا نہیں کرتے۔"

سفر کی سہولت ایک نعمت

اللہ رب العزت نے قوم سبا کو سیر وسفر کی سہولت اور آسانیاں بھی عطا فرمائی تھیں، شہری آبادی سے جیسے ہی سفر شروع ہو دور سے چھوٹی بستیاں نظر آجاتیں تاکہ آدمی کو ہر طرح کی سہولت ہو اور رات دن کہیں بھی ڈر وخوف نہ رہا تھا، تجارتی سفر اور سیر وسیاحت بھی خوب سے خوب تر ہو گئی تھی، جہاں جس چیز کو چاہتے آسانی سے حاصل کر لیتے لب سڑک ہر جگہ آبادیاں اور بہتی نہروں کے کنارے ہرے بھرے آباد گاؤں، رات دن میں امن چین، روڈ صاف ستھرے دوطرفہ ONE WAY TRAFFIC اور نہریں بھی دوطرفہ اس لئے سیر وسفر کی مقدار STAGE OF JOURNEY بھی مقرر تھی وقت پر پہنچتے اور وقت پر واپس ہوتے، کتاب اللہ میں بیان کے مطابق قوم سبا کو عطا کی گئی تھی یہ اس نعمت کا ذکر ہے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ۝ (سورہ سبا:۱۸)

"برکت والی آبادی اور ان کے درمیان ہم نے بیچ بیچ میں چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی آباد کردیئے تھے جو دور سے صاف نظر آتے تھے اور سیر وسفر کی منزل کی مقدار بھی ہم نے مقرر کردی تھی، رات دن بے خطر اور پُر امن طور پر موج سے سیر وسفر کے جاؤ۔"

آج کے نئے دور کے لوگوں پر مزید شکر لازم ہے

آج کے دور کے لوگوں کو بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ریل، موٹر اور ہوائی سفر میں وقت پر پہنچنا یہ نئے دور میں اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ جگہ جگہ اسٹیشن STATION اور ہوائی اڈے AIRPORTS ہر جگہ ہوٹل وچائے خانے جہاں چاہا منزل پر پڑاؤ کیا اور جب چاہا چل دیئے، ایک سفر حج ہی کی مثال لیجئے، کہ کوئی حاجی حج کو جاتا تو اس کا یہ سفر چھ مہینہ سے کم نہ ہوتا پانی اور غذا کی پریشانی کے سبب سے حاجی راستہ میں جان بحق ہوجاتے اگر کوئی ہوشیار حاجی پہنچ بھی جاتا تو دوسرے سال کے حج کے لئے مزید قیام کرلیتا، مگر موجودہ دور میں حج کی آسانیاں دیکھئے کہ بمبئی سے وضو کرکے کوئی شخص ہوائی جہاز میں بیٹھے تو اس وضو سے مکہ مکرمہ میں پہنچ کر نماز پڑھ سکتا ہے، کیا نئے زمانہ کے لوگوں کے لئے پچھلے زمانہ کے لوگوں کے مقابلہ میں سفر کی زیادہ سہولت اور آسانیاں حاصل نہیں ہیں؟ اور اس وجہ سے موجودہ زمانہ کے لوگوں پر اللہ کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرنا لازم نہیں؟

یہ بھی ناراضگی رب کا سبب ہے

کھانے پینے، رہنے سہنے اور آنے جانے میں اتنی ساری آسانی اور راحت ملنے کے باوجود بھی قوم سبا کا جی اُکتا گیا اور وہ دور دراز کے سفر اور پُر مشقت زندگی کے طالب بنے، اور:

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ (سورہ البقرہ:۶۱)

"کیا کسی اچھی چیز کو چھوڑ کر بدلے میں ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو۔"

کے مصداق آسائش کو چھوڑ کر مشقت اور تنگی کے دلدادہ اور شیدائی ہوئے، یہ خیال ان کے دل میں اس سبب سے آیا کہ وہ دین سے دوری اختیار کرچکے تھے اور رب کائنات محسن ومنعم حقیقی کے احکام سے غافل وبے خبر ہوچکے تھے، ناشکری اور ناقدری پر آمادہ رہتے، ان کی اس اکتاہٹ وبے چینی اور بالآخران کی بربادی کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ فَجَعَلْنٰھُمْ اَحَادِیْثَ وَمَزَّقْنٰھُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ (سورہ سبا:۱۹)

"اتنا سکھ چین دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے ان کا جی اکتا گیا تو دعا کرنے لگے کہ اے رب ہمارے سیر وسفر میں دوری ڈال کر مشقت والا بنا دے، اس تمنا پر خود انھوں نے اپنا ہی نقصان کیا، پس پھر ہم نے اس کو مار کوٹ کر فنا کے گھاٹ اتار دیا کہ اب صرف ان کے افسانے اور کہانیاں باقی ہیں ہر صابر اور شاکر آدمی کے لئے اس قوم کی بربادی کے واقعات میں عبرت کا نشان موجود ہے۔"

کیا نئی دنیا کسی آسمانی دھماکہ کی منتظر ہے؟

ملک سبا کے لوگوں میں جو خرابی اور کمزوری پیدا ہوگئی تھی وہ مرض اور عیب موجودہ فرنگی تہذیب میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ یورپ میں اتنے سکھ چین کی زندگی سے وہاں کے بہت سے لوگ اب اکتا گئے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جی سکھ چین سے اچاٹ ہوگیا، اب یہ بھی چاہنے لگے کہ پھٹے کپڑے اور میلے گندے جسم اور ننگ دھڑنگ رہیں، پھر در در کی ٹھوکریں کھا کر مصیبت کا مزہ جان بوجھ کر چکھیں، یہ ناشکری آج بھی خوش حال ملکوں میں دیکھی جاسکتی ہے، جس کا تجربہ ملک سبا کے عوام کرچکے اور اجڑ کر برباد ہوگئے، شاید یورپ والے بھی ایسے ہی کسی دھماکے کے منتظر ہوں تو تعجب کی بات نہیں، قوم سبا کی بدبختی بھی ایسی ہی تھی کہ آرام میں مستی چھا گئی تو چاہنے لگے کہ سفر کی تھکان، پانی کا ملنا اور مصیبت کا جھیلنا ذرا ہم کو ملے اس کا بھی مزہ چکھا جائے، اللہ نے انھیں چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کرکے پوری قوم کو نابود اور بے وجود کر ڈالا۔

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
44, Haji Building, S.V.Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele: Add Cupkettle

سفرنامہ

دو ہفتہ مصر وشام میں

پروفیسر محمد اجتباء ندوی

مصر وشام دو ایسے ممالک کے نام ہیں کہ انہیں سنتے ہی لگتا ہے کہ دونوں ایک ہی ملک ہیں، اگرچہ اس وقت دونوں الگ الگ جمہوری ملک ہیں، لیکن اسلام سے قبل اور بعد میں بھی کئی بار متحد ہوکر ایک ملک بن چکے ہیں، آخری بار ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۱ء تک (متحدہ عرب جمہوریت) کے نام سے ایک ملک دو صوبوں پر مشتمل جمال عبدالناصر کی صدارت میں متحد ہوئے تھے اور شام کی تحریک آزادی کے محبوب وصالح رہنما اور صدر شکری القوتلی نے مصری صدر کے حق میں عرب اتحاد کی خاطر تنازل اختیار کیا تھا، یہ اتحاد بھی گزشتہ زمانوں کی طرح قائم نہیں رہ سکا، دونوں زمانۂ قدیم تہذیب وثقافت، علم وآگہی کا سرچشمہ رہے ہیں۔ اسلام سے سرفراز ہونے کے بعد دونوں ہی کی عظمت ورفعت، دانش ومعرفت، نفع آوری وزرخیزی اور آفاقیت وعالم گیریت وانسانیت کا دائرہ وسیع تر ہوگیا، جس کا مصدر ومنبع ایمان وعقیدہ، حسن عمل اور پاکیزہ کردار واعلیٰ اخلاق تھا، اسی بناء پر اس نے تاریخ عالم میں ایک امتیازی مقام حاصل کرلیا اور دونوں ہی اسلامی علوم کے ساتھ زبان وادب کا گہوارہ اور مرکز ومرجع بن گئے، مصر میں جامع ازہر اور شام میں جامع اموی تشنگان علم کی پیاس بجھانے اور حکمت وبصیرت عطا کرنے کے سب سے اہم ومرکزی مقام ہیں۔ جن کا فیض اب تک جاری ہے، دونوں ہی ملک منبع فکر ودانش اور مصدر سلوک وعرفان کی بنا پر مرکز توجہ رہے ہیں، ہر ایک کے دل میں وہاں چند لحہ ہی سہی گزار لینے کی آرزو پیدا ہوتی ہے، یہی وہ جذبہ تھا جس نے سفر کی ہمت وتوانائی نہ ہونے کے باوجود ۱۲ر اگست کی صبح قاہرہ ودمشق کے لئے پابہ رکاب کردیا، عالمی رابطہ ادب اسلامی کی ساتویں جنرل اسمبلی میں شرکت کا دعوت نامہ ملا تھا، اسی موقع پر مجلس عاملہ کا انعقاد بھی طے ہوا، جگہ مصر کے شاندار وتاریخی شہر ودار السلطنت قاہرہ تھی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رابطہ ادب اسلامی کے مرکزی نائب صدر اور جنوب مشرقی ایشیا کے دفتر کے صدر اور نائب جنرل سکریٹری مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور مجلس عاملہ کے سینئر رکن ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کی شرکت ہونی تھی مگر سفر سے ایک ہفتہ قبل ان تینوں بزرگوں اور بڑوں کی شدید مصروفیت کی بنا پر قرعۂ فال اس ناکارہ اور مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی ازہری نائب عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ دار العلوم ندوۃ العلماء کے نام سے نکلا، وقت پر پہنچنے کی جلدی میں سعودی ایرلائنز سے بکنگ کرائی گئی اس آرزو کے ساتھ کہ واپسی میں عمرہ کی سعادت حاصل کرتے ہوئے وطن واپس ہوں گے، مگر عین وقت پر یہ افسوس ناک اطلاع ملی کہ عمرہ کا ویزا نہیں مل سکتا ہے، اس لئے سمت سفر بدل کے دمشق کی جانب سے قاہرہ کا رخ کیا گیا، سیرین ایرلائنز کی ایر بس ۷۰۵ نے دہلی، شارقہ، دمشق اور قاہرہ کی مسافت طے کرنے میں ایک دن اور نصف رات لگادیئے، شارقہ ڈیڑھ گھنٹہ ٹھہر کر دمشق دو گھنٹہ ۴۰ منٹ میں پہنچایا وہاں سات گھنٹہ ٹھہر کر رات کو دس بجے دوسرے جہاز سے قاہرہ ساڑھے گیارہ بجے شب میں پہنچے، دمشق ائر پورٹ صاف ستھرا، منظم اور پر سکون ہے، سات گھنٹہ گزارنے کے لئے گوشۂ عافیت کی تلاش ہوئی اچانک نگاہ ایک بورڈ پر پڑی (مسجد الرجال) "مردوں کی مسجد" ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوا، مولانا نذر الحفیظ صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوئے لوگ نماز ادا کررہے تھے۔ ایک طرف عورتیں بھی نماز وتلاوت میں مشغول تھیں۔ وضو خانہ گئے تو وہاں بھی ایک تختی پر نظر پڑی لکھا تھا: "پانی کا بے جا استعمال نہ کیجئے، پانی ہی زندگی ہے" وضو کرکے نماز پڑھی اور اسی مسجد میں پانچ بجے تک آرام کیا، نکل کر دمشق کے چند دوستوں کو فون سے اپنا پروگرام بتایا اسی ہال کے آخری سرے پر کینٹین تھی چائے کی طلب وہاں لے گئی دو پیالی چائے پانچ ڈالر میں ملی، شاید ہی کبھی اتنا گراں چائے پی ہو، جہاز تاخیر سے روانہ ہوا۔ ساڑھے گیارہ بجے رات میں قاہرہ ایر پورٹ پہنچے، بآسانی سارے مراحل طے ہوگئے، چند طلبہ استقبال کے لئے آگئے تھے۔ محمد عمران فراہی ندوی، منصور ندوی، احمد ندوی، محسوس ہوا کہ قاہرہ کے دفتر رابطۂ ادب اسلامی کو ہمارے پہنچنے کی اطلاع نہیں پہنچ سکی، اس لئے قاہرہ کے قدیم محلہ میدان حسینہ کے ہوٹل (الریش) میں رات گزاری، صبح کو ہوٹل (المرکز الکشفی العربی الدولی) میں منتقل ہوگئے۔ اسی ہوٹل میں قیام بھی تھا اور اسی کے ہال میں مجلس عاملہ اور کانفرنس کا انعقاد بھی ہوا، یہ نئے شہر کا صاف ستھرا، ترقی یافتہ علاقہ ہے مدینۃ النصر کے نام سے جانا جاتا ہے، بلند وبالا شاندار عمارتیں، چوڑی صاف ستھری سڑکیں وگزرگاہیں ہیں، تھوڑے فاصلہ پر جامع ازہر کا جدید کیمپس ہے، ایک جانب سابق

صدر انور السادات کا سنگ مرمر سے تعمیر کردہ اہرام نما مقبرہ ہے، قیام گاہ کی داہنی جانب پرشکوہ ''مسجد مصطفیٰ'' قائم ہے جس میں جمعہ کے علاوہ بھی نمازیں ادا کی گئیں، نوجوان امام نے بڑی جرأت اور ہوشمندی سے جمعہ کا خطبہ دیا، حضرت عمرو بن العاصؓ کی فتح وکامرانی، فسطاط کی بنا وتعمیر، علماء دعاۃ اور اخوان المسلمین کی باوقار مردم گر تحریک، عربی شعر وادب اور علم وفن وہنر اور ان سب کے رہبر ورہنما اور حاملین کی یکے بعد دیگرے یاد تازہ کردی، (مصر) خوابوں کا ملک، تمناؤں کا مرکز، آرزوؤں کی آماجگاہ، فکر وفن، علم وادب کا گہوارہ، جاہ وحشم، دولت وثروت کا خزانہ، فراعنہ کے قہر وجبروت، قلوپطرہ وانٹونی کی معرکہ اور دلربائیوں، یونانیوں ورومیوں کی محاذ آرائیوں، بحر اٹلانٹک کے ساحلی خوبصورت شہر اسکندریہ میں مشہور زمانہ کتب خانہ مرکز توجہ رہا ہے، آج وہ کتب خانہ نئے طرز وجدید لباس میں زیب تن ہوکر آنکھوں میں نور اور دلوں میں سرور پیدا کررہا ہے، ضرب کلیمی اور دعوت یوسفی بھی اس کی فضاؤں میں گونجتی محسوس ہوتی ہے، حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد اس کی چمک دمک اور رونق وتابانی دوبالا ہوگئی، اسی کا یہ فیض ہے کہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کی کانفرنس کے انعقاد کی سعادت تیسری بار حاصل کررہا ہے۔ ۱۴؍اگست تک رابطہ کی مجلس عاملہ کے اراکین اور کانفرنس میں شریک ہونے والوں کی خاصی تعداد پہنچ چکی تھی، ان میں ہمارے دو رفقاء جنہیں کانفرنس میں شریک ہونا تھا آگئے، پروفیسر محسن عثمانی صاحب حیدرآباد سے اور ڈاکٹر سعود عالم قاسمی صاحب علی گڑھ سے، اس طرح ہندوستان کے چار نمائندے ہوگئے اور شمال وجنوب دونوں کی نمائندگی بھی ہوگئی۔ ۱۵؍اگست وطن کی آزادی کا دن ہے اس کی یادیں تازہ ہوگئیں کچھ رفقاء وطلباء جشن آزادی میں شریک بھی ہوئے۔

صبح ساڑھے دس بجے عالمی رابطہ ادب اسلامی کی مجلس عاملہ کا آغاز ہوا اور تین دن بے حد مصروفیت کے گزرے، پورے عالم میں قائم دفاتر کی رپورٹ، کارگزاری، شاخوں کے مسائل، دستور اساسی میں ترمیم اور آئندہ کے منصوبے، نیز اگلی مجلس عاملہ اور کانفرنس کے انعقاد کی جگہ اور وقت کا تعین زیر بحث رہا، ۱۷؍اگست کو دیر رات مجلس کا اختتام ہوا، خوشگوار اسلامی وتعمیری ماحول میں یہ تین دن گزر گئے، سب کے دلوں میں کام کا جذبہ اور سنہرے مستقبل کا یقین تھا۔ ۱۸؍اگست کی صبح ہوٹل کے زریں کشادہ ہال میں ساڑھے دس بجے ساتویں عمومی اجلاس کا آغاز ڈاکٹر احمد عمر ہاشم سابق مدیر جامعہ ازہر اور حال ڈین فیکلٹی آف شریعت، معروف اسلامی مفکر کی صدارت اور ممتاز اسلامی مفکر ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کی نظامت میں ہوا، عالمی رابطہ ادب اسلامی کے اراکین کے علاوہ قاہرہ ومصر کے دیگر شہروں کے منتخب علماء وادباء حضرات وخواتین سے پورا ہال بھرا ہوا تھا، تشنگان علم وادب کو اس ہال میں بڑے شوق وذوق کے ساتھ جمع کردیا تھا، ۲۰؍اگست کی شام تک کانفرنس کے پروگرام جاری رہے، عالمی رابطہ ادب اسلامی کے مختلف دفاتر کے نمائندوں نے حصہ لیا اور اراکین عاملہ نے کانفرنس کے موضوع: ''اسلامی ادب اور دوسرے عناصر کا موقف'' سے متعلق مقالات پڑھے، ہندوستانی نمائندہ نے بھی مقالہ پیش کیا، آخری دن شعری نشست اور توصیات وقرارداد کے لئے مخصوص تھا، جو خوشگواری کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔

کانفرنس کی روداد کی نشر واشاعت کے لئے میڈیا کے نمائندے خاصی تعداد میں تھے ریڈیو، ٹی وی کے علاوہ بعض رسائل واخبارات کے نمائندوں نے بھی انٹرویو لئے۔ کانفرنس کے دوران اور بعد میں چند اہم علمی ودینی شخصیتوں سے ملاقاتیں ہوئیں جن میں خواتین اہل علم وادب بھی تھیں، جن کا مصر اور بیرون مصر سے تعلق ہے، ڈاکٹر احمد عمر ہاشم، ڈاکٹر عبدالحلیم عویس، ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح، ڈاکٹر ولید قصاب، ڈاکٹر عبدالولی شمری سفیر یمن برائے مصر کے ساتھ چند اہم شخصیتوں سے نیاز وتعارف حاصل ہوا، ڈاکٹر محمد رجب البیومی رئیس تحریر مجلہ الازہر ومشہور اسلامی مفکر محمد عمارہ، خلیفہ غانم، ڈاکٹر عبدالصبور شاہین اور ڈاکٹر عبدالصبور مرزوق جیسے ممتاز مفکر مصر میں قرطاس وقلم کی زینت ہیں، خواتین ادیبات واہل قلم میں تین نام یاد رہ گئے ہیں، سہیلہ حسینی (عراق) متعدد کتابوں کی مصنفہ ہیں، ڈاکٹر کریمہ شاہین (مصر) بھی مصنفہ اور اسلامی ادب کی گود میں پلی بڑھی ہیں، یہ اسلامی ادب کی سرخیل ڈاکٹر نجیب جیلانی مرحوم کی صاحبزادی ہیں، ڈاکٹر خولۃ سید صاحب القزوینی (کویت) مجلہ ''العصر'' کی ایڈیٹر اور ممتاز ادیبہ وافسانہ وناول نگار ہیں۔

سطور بالا میں مصر کا ایک ہلکا سا خاکہ سپرد قلم ہوچکا ہے، مصر کا تذکرہ ہو اور فراعنہ کا ذکر نہ آئے یہ ممکن نہیں ہے صرف قاہرہ شہر ہی میں ان کی اتنی یادگاریں ہیں کہ ان کے پایۂ تخت ''اسوان'' کی سیر ودید ضروری نہیں محسوس ہوتی، ان کے عجیب وغریب مقبرے اور ممیوں کے نمونے اہرام، ابوالہول ودیگر آثار فرعونی میوزیم میں یکجا کردیئے گئے ہیں، فرعونی میوزیم کی علیحدہ شاندار اور عالی شان عمارت تعمیر کی گئی ہے اور اس پر پہرہ ایسا ہے کہ شاید فراعنہ نے اپنے دور میں بھی اس طرح نہ سوچا ہو، زریں بڑے بڑے ہالوں میں ان کے عہد میں استعمال کی جانے والی اشیاء و برتن، لباس وہتھیار، سواری وغذائی

وسائل اور زندگی گزارنے کی اس عہد کی باقیات خوبصورت الماریوں میں سجائے گئے ہیں، مزید برآں پتھر ومعادن کے دیوہیکل مجسمے، مورتیاں۔ جانوروں میں گائے، چند پرندے اور کوبرہ کو بالکل فرعونی لاشوں کی طرح تحفیت مسالہ لگا کر محفوظ کیا گیا ہے، اس دور میں بتوں کے ساتھ ساتھ ان جانداروں کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ ہمارے ساتھ احمد ندوی متعلم جامع ازہر تھے، میوزیم کے بعض ذمہ داروں سے ان کی دوستی تھی اس کا فائدہ یہ ہوا کہ فراعنہ کی لاشوں والے ٹھنڈے ہال میں داخلہ بغیر فیس کے مل گیا۔ اس کافی کس ٹکٹ ستر پونڈ ہے، ہال میں داخل ہوئے اس میں تیرہ (۱۳) لاشیں (ممی) شیشوں کے صندوق میں محفوظ کی گئی ہیں۔ انہیں میں عمسیس ثانی کی لاش بھی نمایاں طور سے رکھی ہوئی ہے۔ فرعون (موسیٰ علیہ السلام) کے دور سے ہی مشہور ہے مگر گائڈ اور واقف کاروں نے بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں اس کا بیٹا (امرجینا) نامی تھا، جس کی لاش اس کے سراہنے دوستونوں کے درمیان بلوری بکس میں رکھی ہے، وہی دریا میں غرق ہوا تھا، غور سے دیکھا تو اس پر پانی کے آثار تھے، ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا، پیر کے ناخن اور ہاتھ کی انگلیاں نچی ہوئی تھیں، لگتا ہے کہ دریائی مچھلیوں یا کیڑوں نے اسے اپنا شکار بنانے کی کوشش کی تھی، لیکن قرآن مجید کی صراحت کے مطابق اسے عبرت وموعظت کے طور پر باقی رکھنا تھا اس لئے اس کی لاش کنارہ پر آگئی اور اب دیدۂ عبرت نگاہ بنی ہوئی ہے، تیرہ ممیوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ فراعنہ کے قد وقامت آج کے عام انسانوں جیسے تھے اور رنگ وروپ، شکل وشباہت جنوبی مصر کے باشندوں سے ملتی جلتی ہے۔ میوزیم سے باہر نکلے تو دن کے ۲ بجے تھے، بیرونی گیٹ پر وحید احمد ندوی مل گئے۔ انہیں آنا تھا، وحید صاحب نے اپنا قیمتی تحقیقی مقالہ Ph.D کی سند کے لئے جمع کردیا ہے۔ بے حد محنتی، لائق، ذہین وگہرے مطالعہ وفکر کے اسکالر ہیں، مصر میں قیام پذیر چند ممتاز طالب علموں میں سے ایک ہیں، مستقبل میں ان سے بہت امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

ان دونوں (وحید احمد) کے ہمراہ قدیم اسلامی شہر ''فسطاط'' کا رخ کیا جسے فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے خیمہ کی جگہ ایک شہر کی بنیاد ڈالی جس کا فسطاط نام پڑا، وہی ترقی کرکے قاہرہ کا عظیم شہر بن گیا مگر اس قدیم فسطاط کے در وبام، فصیل اور مسجد وسیع تر ہوکر جامع عمرو بن العاصؓ کے نام سے معروف ہے، راستہ میں دریائے نیل کے پاس سے گذرتے ہوئے قاہرہ کے خوشحال، دولت مند، اصحاب مناصب کے محلہ (زمالک) سے گزرے، بائیں جانب ٹیلی ویژن اور ریڈیو اسٹیشن کی عالی شان عمارت اور دائیں جانب فلک نما برج القاہرہ (منارۂ قاہرہ) ہے بتایا گیا کہ اس کی بلندی تقریباً ۱۶۷ میٹر ہے، ظہر کی نماز جامع عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میں ادا کی، کشادہ، عظیم الشان اور شاندار مسجد ہے۔ بڑا روحانی سکون محسوس ہوا، اس کے ارد گرد اور خصوصاً مرکزی دروازہ کے سامنے کھلا ہوا، صاف ستھرا صحن ہے، آس پاس کے مکانات قدیم طرز کے اور پرانے مگر صاف ستھرے اور سلیقہ کے نظر آئے، صفائی ستھرائی، مسجد کی توسیع اور جدید تعمیر جلیل القدر، اسلامی مفکر کثیر التصانیف صاحب قلم شیخ محمد الغزالی نے کرائی، اس وقت مصر کے وزیر اوقاف شیخ احمد الباقوری تھے، اس سلسلہ میں ان کا تعاون حاصل رہا، برادرم وحید احمد باصرار ہم لوگوں کو اپنے کمرہ پر لے گئے اور دوپہر کا کھانا کھلایا۔ مغرب تک ان کے ساتھ رہے، انہیں کے ساتھ ہوٹل آئے مجلہ ''المشعف العربی'' کے نمائندہ منتظر تھے ان کو انٹرویو دیا، ہندوستان، ہندوستانی مسلمان، مسائل اور ان کے حل سے متعلق سوالات تھے، ان کے جوابات ٹیپ کرائے۔

جامع ازہر کئی بار جانا ہوا اسی سے متصل جامعہ کا قدیم کیمپس ہے، مجلہ الازہر اور کچھ دفاتر اور قیام گاہیں اب بھی وہاں ہیں، دنیا کی قدیم ترین مسجد اور سب سے قدیم یونیورسٹی ازہر اور اس کی مسجد کی عمارت قدیم بنیادوں پر ہی ہے اس کے خوبصورت گول ستون اب بھی حلقۂ درس سے آباد رہتے ہیں، مسجد کی تعمیر فاطمی سپہ سالار جوہر صقلی نے کرائی، اسی تعلق کی بنا پر اسماعیلی شیعہ حضرات اس کی مرمت وآرائش وغیرہ کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں چنانچہ انہوں نے ہی پوری مسجد کا فرش سفید سنگ مرمر سے بنوایا ہے۔ عمدہ نئے قالین بچھوائے ہیں، اسی کے بالمقابل مسجد ''سیدنا الحسین'' ہے۔ اس کی وجہ سے اس محلہ کا نام اب بھی یہی ہے۔ جوہر صقلی نے ''فاطمی خلیفہ معزالدین اللہ'' کے نام پر یہ شہر آباد کیا تھا ان دونوں مسجدوں کے سامنے فاطمی خلفاء کا محل تھا اس سے متصل ان کے آباء کی ہڈیاں دفن تھیں اور یہی ان کا خاندانی قبرستان بھی تھا، اس زمانہ میں اس کو ''تربۃ المعزیہ'' یا ''تربۃ الزعفران'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، فاطمیوں کے زوال کے بعد وہ غیر آباد ہوگیا تو ممالیک کے عہد میں امیر جہارکس الخلیلی نے ''خان الخلیلی'' کے نام سے سرائے بنوا کر اس کی آمدنی مکہ مکرمہ کے لئے وقف کردی تھی، ۷۹۱ھ مطابق ۱۵۱۱ء میں سلطان غوری نے اسے بازار اور دکانوں میں تبدیل کردیا، جس میں ایک قہوہ خانہ ہے جو مسجد سیدنا الحسینؓ کے جنوب کی ایک گلی میں واقع

ہے جس کی تاریخی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی شہرت رہی ہے، سب سے پہلے سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں اس کا تذکرہ پڑھا اس کو اندر سے دیکھنے کی خواہش تھی جو پوری ہوئی اور دوبارہ اس میں داخل ہوئے، بیٹھنے اور فوٹو کھینچنے کا موقع ملا، اس قہوہ خانہ کے اندر چھوٹے بڑے گوشے ہیں اور پر سکون ہیں، بازار و دکانوں کی ہماہمی اور شور وشر رسے کسی قدر الگ ہے۔ اسی میں سید جمال الدین افغانی نے اپنے شاگردوں، امام محمد عبدہ، شیخ عبدالعزیز جاویش، مصطفیٰ کامل وغیرہ کے ساتھ بیٹھ کر درس وتدریس، مذاکرے اور عالم اسلام کی آزادی و مسلم بیداری کے منصوبے اور اسکیمیں بنائی تھیں یہ صرف مصر ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے بے حد تاریخی یادگار ہے جو خاموش داستان سناتا ہے، آج بھی اس کی یہ خدمت و پیغام جاری ہے اگر چہ اس وقت قہوہ خانہ کے دو حصے ہوگئے ہیں ایک کا نام ''قہوہ الفیشاوی'' ہے وہ اپنی قدامت اور دیرینہ سالی کا اپنے آپ گواہ ہے، اس کے اندر مصر کی تحریک آزادی کے رہنما اعرابی پاشا، مصطفیٰ کامل، سعد زغلول پاشا کی تصویریں نصب ہیں اور دوسری جانب انقلاب سے پہلے کے حکمراں شاہ فاروق اور ان کے والد شاہ فواد کے خاکے ہیں، ہمارا اس میں ایک ہندوستانی جوڑے سے تعارف ہوا جو ایک گوشہ میں چائے نوش کر رہا تھا۔ ان کا تعلق کیرالا سے تھا۔ قہوہ خانہ کا دوسرا حصہ نوبل انعام یافتہ ادیب وناول نگار نجیب محفوظ سے منسوب کر کے (نجیب محفوظ کافی شاپ) رکھ دیا گیا ہے داہنی جانب انگریزی میں تختی لگی ہے، درمیان میں (خان خلیلی) لکھا ہے اور بائیں جانب (قہوہ نجیب محفوظ) کندہ ہے <u>۱۹۸۸ء</u> اور اس کے بعد اس قہوہ خانہ کی ترمیم و تجدید کاری کی گئی ہے اور گیٹ میں داخل ہوتے ہی سامنے چوڑے ستون پر نجیب محفوظ کے اہم ناولوں کے نام کندہ ہیں اور اوپر ان کے دستخط ہیں، یہ تجدید کاری اسی سال کی گئی جب نجیب محفوظ کو ان کے مشہور زمانہ ناول (اولاد حارتنا) پر بین الاقوامی نوبل انعام عطا کیا گیا۔ نجیب محفوظ کے تذکرے میں ہے کہ وہ بھی خان خلیلی کے اسی قہوہ خانہ میں آکر صبح کو بیٹھتے، قہوہ وچائے اور اپنے افسانوں اور ناولوں کے خاکے ترتیب دیتے، جس میں مذکورہ متنازعہ ناول کے علاوہ (بین القصرین، قصر الشوق اور السکریہ: ثلاثیات) جیسے سماجی اخلاق سوز ناول بھی شامل تھے، اب یہ خان خلیلی اس بڑے بازار کا ایک حصہ ہے جس میں چار سو سے زیادہ دوکانیں اور سپر مارکیٹ ہیں۔ یہ جامع ازہر اور مسجد امام حسینؓ کے بالکل سامنے واقع ہے، سید جمال الدین افغانی وامام مفتی محمد عبدہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس برکت و تقدس کے زیر سایہ مسلمانوں کے لئے عظیم خدمات وقربانیاں پیش کیں اور نجیب محفوظ نے اپنے مذکورہ ناولوں کے ذریعہ اس تقدس کو پامال کیا، اور اپنے ناول (بین القصرین) کے ایک کیریکٹر کو اسی خان خلیلی میں بیٹھا کر گھناؤنے عمل کے لئے منصوبہ سازی کرتے ہوئے دکھایا ہے، اسی کو کہتے ہیں: ''زمانہ کے فرق نے دن یہ دکھائے'' قاہرہ وہ قدیم علاقہ ہے جو موسکی اور معزیہ یا سید الحسین اور وحتیہ کہلاتا تھا کوڑے کباڑ سے اٹا رہتا تھا، اب بے حد صاف ستھرا منظم اور لائق دید ہے، درمیان میں ایک خوشنما باغیچہ ہے، زائرین اور سیاحوں کے لئے چائے خانہ کے علاوہ بھی کرسیاں اور بنچیں بنائی گئی ہیں، جگہ کے احترام برکت اور تقدس کے ساتھ دلکشی ورعنائی کا بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ اس کی دوسری جانب کتب خانوں اور کتب فروشوں کا ایک سلسلہ ہے جہاں سے ہم نے بھی کچھ کتابیں خریدیں، وہاں وہ سب کتابیں مل جاتی ہیں جو یہاں نایاب ہیں، دارالکتب الوطنیۃ ایک زمانہ میں عربی کا سب سے بڑا کتب خانہ تھا جس میں نادر مخطوطات کے علاوہ قدیم وجدید کتابوں کا مخزن تھا، بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں ڈاکٹر رشاد عبدالمطلب نے ہندوستان اور دوسرے ممالک میں محفوظ مخطوطات کے فوٹو اور نقلیں لے کر دارالکتب ذخیرے میں اضافہ کیا تھا، غالباً اس کے بعد کچھ قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا، اب اس کا نام ''دارالکتب المصریہ'' ہوگیا ہے، مصر علم وتحقیق اور فن وادب کا مرکز ہے اس کا مزاج وخمیر ہی علمی بصیرت اور فکری آگہی ہے دارالکتب اور ''مجمع اللغۃ العربیۃ'' نے اس میں مزید گہرائی وگیرائی پیدا کی اور اس کے نتیجہ میں نامور علماء وادباء اور ادبی تحریکیں: <u>جماعۃ الدیوان جماعۃ ابولو، تجدو، تجدید اور مابعد حدیث اور عوطلہ واحداثہ</u> رونما ہوئیں جس نے بہت سارے مکاتب فکر کو سرگرم عمل بنایا، تین سال قبل قاہرہ میں مجمع اللغۃ العربیۃ کے صدر ڈاکٹر شوقی ضیف مرحوم سے ان کے دولت کدہ پر ملاقات کی تھی، بیمار پیر میں فریکچر اور کبرسنی کے باوجود ایک گھنٹہ تک مختلف علمی وادبی موضوعات پر گفتگو کرتے رہے، میں نے زیادہ انہیں سے متعلق سوالات کئے کہ تنہا انہوں نے اتنا وسیع اور عظیم تحقیقی، علمی وادبی کام کیا ہے کہ جسے ایک اکیڈمی کرتی ہے وہ خود عرصہ سے اکیڈمی کے سربراہ ہیں، مسکرائے اور کہا کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے گزشتہ مارچ میں ان کی وفات ہوگئی، گھر فون کیا کہ ان کی اہلیہ اور بچوں سے تعزیت کریں تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ اسکندریہ میں ہیں۔ مصر کے دوران قیام دو واقعات قابل ذکر ہیں،

۱۵ راگست کی صبح کو مصر کے روزناموں اور ٹی وی کی خبروں پر نظر پڑی، فلسطین کے غزہ پٹی سے یہودی نو آبادیوں کا انخلاء اور مصر کے صدر کا تجدید انتخاب۔

غزہ کے انخلاء کے وعدے وعید عرصہ سے چل رہے تھے لیکن تفصیلات دیکھ کر قدرے تعجب ہوا، اسرائیلی اقتدار عالمی طاقت کے زیر سایہ طرح طرح کی بازیگری دکھاتا ہے۔ بآسانی اور خاموشی کے ساتھ غزہ سے اپنی نو آبادی ہٹا سکتا ہے اور اسے ہٹانا ہی تھا لیکن یہ شور وشر اور یہودی حاکموں اور مذہبی حلقوں کی مزاحمت کا مظاہرہ سوچی سمجھی اسکیم کا حصہ تھا، شیرون کو اپنا کارنامہ دکھلا کر ہیرو کا روپ دھارنا تھا کہ یہودی مخالفت کے باوجود اس نے بڑی فراخدلی اور عالمی رائے عامہ کے احترام میں ایسا کیا ہے، اس لئے دوسرے منصوبوں میں اس کا ساتھ دیا جانا چاہئے۔ اس کے علاوہ بھی درپردہ کچھ اور منصوبے پوشیدہ ہو سکتے ہیں، یوں غزہ کی صورت حال عام خبروں کی بین السطور میں نظر آتی ہے کہ فلسطینیوں کا پورے غزہ پر پوری گرفت اور مکمل اثر ورسوخ ہو چکا ہے، اس علاقہ میں فلسطینیوں کے علاوہ کسی اور کا حکم اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے، یہودی خوفزدہ تھے اور نکلنے کی راہ تلاش کر رہے تھے، خدا کرے یہ نیک فال ثابت ہو اور فلسطین مکمل آزادی حاصل کرلے۔

مصر میں صدارتی انتخاب میں اس بار نئی بات دستور میں ترمیم کر کے کی گئی صدر حسنی مبارک کے مقابلہ میں ۹ امیدوار سامنے آئے، جن میں سے بیشتر مصری عوام کے لئے نامانوس تھے، مصر کی سب سے طاقتور اور ملک گیر عوامی تحریک (جماعت اخوان المسلمین) پر پابندی عائد ہے، اس لئے وہ حصہ نہیں لے سکتی تھی۔ چند ایک پوسٹر نظر آئے، مگر اس کی تحریر شکستہ اور روشنائی پھیکی تھی نتیجہ معلوم تھا جس کا اعلان ہوگیا، مصری عوام کی اکثریت اپنی دینی روایات اور اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہے جو خوش آئند اور روشن مستقبل کے لئے واضح اشارہ ہے۔

مصر کی زندہ یادیں سینے سے لگائے تشکر وامتنان کے ساتھ دمشق کے لئے رخت سفر باندھا، وللہ الحمد والشکر۔

(شام کے احوال سفر اگلے شمارہ میں)

دارعرفات میں رابطہ ادب اسلامی کا ایک

تعزیتی جلسہ

بروفات ڈاکٹر پروفیسر عبدالحلیم ندوی

(سابق پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کا اظہار تعزیت

عربوں میں میمن صاحب کے بعد ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی کا اعتراف کیا جاتا ہے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ان کا بڑا گہرا تعلق تھا وہ ان کے اولین شاگردوں میں ایک تھے انھوں نے ہماری سرپرستی کی جب ہمارا قیام دہلی میں تھا۔ ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ لباس نہیں بدلا جامعہ میں رہے ہوں یا ریڈیو میں مشرقی لباس میں رہے نماز با جماعت کے پابند تھے دین کے بارے میں کوئی گستاخی برداشت نہیں کر سکتے تھے، ایک بیرونی سفر میں ایک اشتراکی نظریہ کے شخص نے کہا کہ آپ پڑھے لکھے ہو کر نماز پڑھتے ہیں، یہ تو جاہلوں کے لئے ہے، اس پر مولانا نے کہا اس کا تعلق عقیدہ سے ہے۔

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی

رمضان کے دوران پروفیسر صاحب کے انتقال کا حادثہ پیش آیا، عمر کے تقاضے سے ان کی صلاحیتیں وہ کام نہیں دکھا پا رہی تھیں جو دکھاتی تھیں۔ اس کی وجہ سے وہ گوشہ نشین ہو گئے تھے، مگر یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ انھوں نے حصول علم کے لئے بڑی محنت کی اور اس کی وجہ سے انہوں نے اپنی ایک حیثیت بنالی تھی۔ وہ المجمع العلمی دمشق کے ممبر بھی ہو گئے تھے، ندوۃ العلماء میں وہ ہمارے ساتھی تو نہ تھے ہمارے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنی صاحب کے ساتھی تھے۔ علم وادب کے میدان میں ان کی وفات ایک خلا چھوڑ تی ہے، ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ ملت کو ان کا نعم البدل عطا کرے، اور ان کے ساتھ مغفرت وعفو کا معاملہ کرے۔ ہم دارعرفات اور رابطہ ادب اسلامی دونوں اداروں کے نمائندے کی حیثیت سے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں دارعرفات میں یہ جلسہ تعزیت منعقد ہوا جہاں وہ رہ چکے تھے اور رابطہ ادب اسلامی کے طرف سے منعقد ہوا جس کے وہ ممبر تھے۔

ایک مطالعہ

مولانا عبداللہ عباس ندوی کی ایک زیر طبع کتاب

''مکررات قرآن'' ایک تعارف

پروفیسر محسن عثمانی ندوی
(صدر شعبۂ عربی سنٹرل انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد)

یہ عالم رنگ وبو، یہ جہان نور نکہت، یہ کائنات زیب وزینت اللہ بدیع السموات والارض کی بے مثال تخلیق ہے۔ اس میں حسن کاری اور دل فریبی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ خود قرآن مجید میں اس کا کئی جگہ ذکر ہے (وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ) جب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں نادرہ کاری موجود ہے تو خود اس کے کلام میں جو اس کی صفت ہے اعجاز بیان اپنے عروج پر کیوں کر نہ ہوگا۔ چونکہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اس لئے تجمیل اور تزئین کی صفت خداوندی کی نمود اس کی تمام صنعت میں پائی جاتی ہے۔ اور وہ اس کے لئے شعوری کوشش بھی کرتا ہے۔ وہ اپنے کلام کو بھی بلاغت نظام بنانے کی سعی کرتا ہے اور اس کے لئے اس نے بیان وبدیع کے قواعد تیار کر ڈالے ہیں وہ صنائع کے جوہر دکھاتا ہے، وہ آرائش وزیبائش کا ہنر اختیار کرتا ہے، وہ جب قلم کا استعمال کرتا ہے تو نثر میں موتی پروتا ہے اور شعر کو حسن تخیل سے آبدار بناتا ہے۔ فنون لطیفہ کے تمام اقسام، تعمیر، آرائش، مصوری، نقاشی، رقص اور موسیقی، شاعری سب انسان کے ذوق جمال کی شہادت دیتے ہیں اور یہ جمال آرائی اور یہ حسن افروزی اسے خلاق ازل کی طرف سے ارزانی کی گئی ہے جو سرچشمہ کمال اور منبع حسن وجمال ہے۔ یہ دراصل اسی ذات جمیل کا فیضان حسن وجمال ہے جو اس کائنات کے ذرہ ذرہ میں بکھرا ہوا نظر آتا ہے۔ انسان کی حس جمال اسی کی پروردہ اور آفریدہ ہے لیکن اس نے شاعرانہ ترنگ میں اپنے جمالیاتی ذوق اور حسن آفرینی پر اتنا فخر کیا ہے کہ اپنے کلام کو اس نے روکش جمال فطرت قرار دے دیا ہے۔

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم

کلام الٰہی فصاحت وبلاغت کا بلند ترین اور روشن ترین نمونہ ہے لیکن اس سے وہی شخص لطف اندوز ہو سکتا ہے اور کیفیت وجد سے سرشار ہو سکتا ہے اور انبساط کے سمندر میں غرق ہو سکتا ہے جو عربی زبان کے محاسن کو اچھی طرح جانتا ہو اور زیورات لفظی کی پرکھ رکھتا ہو ورنہ ایک محروم ذوق جمال اور نامحرم جوہر کمال کے نزدیک ذرہ بے مقدار اور آفتاب عالم تاب دونوں یکساں ہیں وہ ریگ زار اور لہلہاتے ہوئے مرغزار میں باعتبار حسن کوئی فرق نہیں محسوس کر سکتا ہے، وہ اپنی بے ذوقی اور کم علمی کی وجہ سے حسن بیان کو سمجھ نہیں سکتا ہے وہ الٹا معترض بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن میں ایک ہی بات کو ایک ہی لفظ کو مکرر سہ کرر کیوں کہا گیا ہے۔ اس کتاب میں اسی مفروضہ اعتراض کا جواب ہے اور تکرار کے سربستہ راز سے پردہ اٹھایا گیا اور اس کے اسباب کو سمجھانے کی کوشش کی گی ہے۔ قرآن کی ادبی صنعتوں کا قرآن میں علم معانی کے ایجاز واطناب ومساوات حذف وتکرار وغیرہ کے استعمال کا علم بیان کے تشبیہ مجاز استعارہ اور کنایہ وغیرہ کے شواہد کا، علم بدیع کے سجع طباق مراعات النظیر تضاد اور عکس تجنیس اشتقاق ترصیع وغیرہ کی مثالوں کا شمار مشکل ہے قرآن کی آیتیں ان مثالوں سے بھری ہوئی ہیں۔ قرآن کی ہر آیت فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے ایک شاہکار ہے تاہم قرآن کے ادبی اعجاز پر مولانا عبداللہ عباس صاحب کی ایک مؤقر اور معتبر کتاب موجود ہے لیکن یہ کتاب مکررات قرآن یعنی قرآن کی صرف صنعت تکرار سے متعلق ہے۔ تکرار زبان کا عیب بھی ہے اور ہنر بھی ہے، اگر تکرار بے ضرورت اور بے محل ہے تو ذوق سلیم پر بار ہے اور اگر مقتضیات کلام کے مطابق ہے تو عروس کلام کے گلے کا ہار ہے۔ تکرار کے برمحل ہونے اور سیاق وسباق کے مطابق ہونے سے زبان کی قبا میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اس سے طبیعت شگفتہ اور روح بالیدہ ہوتی ہے۔ اردو زبان میں قرآن کی مکررات کے موضوع پر پہلی بار کتاب سامنے آرہی ہے۔ عربی میں بھی اس موضوع پر کتاب نایاب تو نہیں لیکن کمیاب ضرور ہے اس پر مواد کا حصول مشکل اور جوئے شیر لانے کے مرادف ہے۔ اس موضوع کی افادیت سے انکار ممکن نہیں کہ لفظ ومعنی کی اقتضائے کلام کے مطابق تکرار گویا صناعی اور نگوں کی ریزہ کاری اور ایک طرح کی مرصع سازی اور فن ہے۔ اس سے آہنگ میں نغمگی پیدا ہوتی ہے اور نغمگی میں اضافہ ہوتا ہے اور اس اضافہ سے تاثیر میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ لفظ کی تکرار مفہوم میں بھی زور پیدا کر دیتی ہے۔ لفظوں کی آواز سے، تکرار کے ساز سے اہتزاز کی کیفیت پیدا جاتی ہے۔ اسی لئے سورہ رحمٰن میں ایک آیت (فبای الاء ربکما تکذبان) کی تکرار فردوس گوش اور سامعہ نواز

ہے (فان مع العسر یسراً ان مع العسر یسرا) تکرار کی دوسری مثال ہے، اس میں صفت تجنیس کے ساتھ تکرار نے تاکید معنوی کے ساتھ ادبی طمطراق کی شان پیدا کر دی ہے۔ (کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون) میں تکرار تاکید کے لئے ہے۔ قرآن میں علم معانی علم بیان اور علم بدیع کی تمام صناعیوں کو سمجھنا انسان کو صناع ازل سے اور اس کی کتاب سے قریب کرتا ہے، کتاب کے حسن زبان کی خوبیوں سے آشنا کرتا ہے اور دل کو نور اور روح کو سرور عطا کرتا ہے، کیونکہ انسان کے حواس خمسہ میں سے ہر ایک حس تربیت یافتہ نہ ہوگی تو حسن شناسی بھی ممکن نہ ہو سکے گی۔ اور حسن شناسی نہ ہوگی تو زبان کے زیور کی مرصع کاری کا احساس نہ ہوگا، پھر زبان اشعار میں بھی جملہ کی اور لفظوں کی تکرار پر معترض ہوگی کیونکہ اشعار میں اس صنعت کا استعمال عام ہے اہل زبان جانتے ہیں کہ تکرار کہیں کہیں کس قدر بلیغ ہوتی ہے مثال کے طور پر اردو کے چند اشعار پیش ہیں:

لیا پہلے تو ہاتھوں میں مگر پتھر پہ دے مارا
میں کہتا رہ گیا ظالم مرا دل ہے مرا دل ہے

آنی وفانی تمام معجزہ ہائے ہنر
کارِ جہاں بے ثبات کارِ جہاں بے ثبات

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

علی کا عدو دوزخی دوزخی
علی کا محب جنتی جنتی

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

عالم عالم عشق وجنوں ہے دنیا دنیا وحشت ہے
دریا دریا روتا ہوں میں صحرا صحرا وحشت ہے

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

نینداس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے شانے پر پریشان ہو گئیں

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
لیکن اپنا اپنا دامن

ہستی شاعر اللہ اللہ
خاک نشین اور عرش نشین

جس طرح حذف کہیں کلام کو بلیغ بناتا ہے اسی طرح سے کسی چیز یا کسی لفظ کا مکرر ذکر بھی بلاغت کی جان بن جاتا ہے۔ مذکورہ بالا اشعار سے اندازہ ہوگا کہ تکرار نے کس طرح کلام میں جان پیدا کر دی ہے۔ جب عام مضمون کے لئے تکرار باعث حسن ہوتا ہے تو مقدس ترین اور بلند ترین اور روشن ترین مضمون کو دلوں میں جاگزین کرنے کے لئے تکرار کی اہمیت سمجھ میں آسانی سے آسکتی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر اہل ذوق کے لئے تحفہ گراں مایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو شخص مولانا عبداللہ عباس ندوی کی کتاب ''قرآن تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ'' کے ساتھ اس کتاب کا بھی مطالعہ کر لے گا، وہ عربی زبان سے ناآشنا ہونے کے باوجود قرآن کے محاسن زبان اور ادبی اعجاز کی ایک جھلک ضرور پالے گا اور اس کی حلاوت اور لطافت اور بلاغت کا کسی قدر ذوق آشنا بن جائے گا۔ جن لوگوں نے قرآن کے ادبی اعجاز کے موضوع پر مولانا کی مذکورہ کتاب پڑھی ہے انہوں نے مولانا کے عالمانہ خیالات کو، نکتہ دانی کی جودت طبع کو اور ان کے پیش کردہ نکات کو مجموعی طور کتاب کی اثر انگیزی اور افادیت کو سراہا ہے۔ پیش نظر کتاب مذکورہ بالا کتاب کے ساتھ قرابت محرمانہ اور میر کے الفاظ میں ''کمند نازک پر ایک اور تازیانہ'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ عروس زبان کے جلووں کو بے حجاب دیکھنے کے لئے زبان پر درک اور اس پر دسترس ضروری ہے مولانا ندوی کے قلم کا کمال یہ ہے کہ اس نے ایک بیگانہ زبان شخص کے حصہ میں بھی، اہل زبان کے برابر نہ سہی، حسن بلاغت کلام کا دور کا جلوہ فراہم کر ہی دیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ قرآن کی زبان کو سیکھنے کی آتش شوق کو تیز اور اسپ ہمت کو مہمیز کر دیا ہے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کیونکہ قرآن کی اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت کا اندازہ اردو ترجمہ پڑھنے والوں کو ہو ہی نہیں سکتا ہے اردو زبان میں قرآن کا کوئی ترجمہ نہیں جو اصل متن کی دل نشینی کے عشر عشیر حصہ کو منتقل کر سکا ہو۔ یہ بات بجا ہے کہ یہ کام تمام مشکل کاموں میں سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ لوگوں نے اس اہم کام کی طرف توجہ ہی نہیں کی اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مترجمین کا دو تین اشخاص کو مستثنیٰ کر کے ادب سے کوئی تعلق اگر تھا تو وہ محرمانہ نہیں بلکہ رقیبانہ تھا۔ ان ترجموں سے فہم اور تذکیر کا فائدہ تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن ان سے اعجاز قرآن کو پورے طور پر سمجھنا مشکل ہے۔ جن حضرات کی اپنی اردو نثر ابالی ہوئی کھچڑی کی مانند پھیکی بے نمک اور بے مزہ ہو وہ قرآن کے بلیغ کلام کا بلیغ زبان میں ترجمہ کیسے کر سکتے ہیں۔ قرآن کا اسلوب سرمدی اعجاز سے معمور ہے۔ قرآنی اسلوب کی معجزانہ شان کی ایک جھلک دکھا دینا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس صورت حال میں قرآن کے ادبی محاسن کے جلووں کو دکھانا اور ان پر پڑے ہوئے پردوں کو ہٹانا بہت قابل ستائش کام

ہے۔مولانا کے قلم سے قرآن کی یہ وہ خدمت ہے جس کا اعتراف مدتوں کیا جائے گا۔اور لوگ اسے اس کا کارنامہ بلکہ ان کی تصنیفات کا سرنامہ قرار دیں گے۔اور اس کی اصل جزا تو ان کو روز مکافات میں روز مکافات کے مالک کی طرف سے ملے گی جس کی خوشنودگی کے لئے انہوں نے یہ کام کیا ہے۔

قرآن کریم اور سیرت نبوی اب مدتوں سے مولانا کا صبح وشام کا مشغلہ ہے۔خاک مدینہ ان کے لئے اکسیر اور ان کا دل فتراک محبت کا نخچیر ہے۔اور اس کیفیت میں روز افزوں اضافہ ہے۔صاف یہ محسوس ہوتا ہے کہ شام زندگی میں پرندہ کو جنت کے آشیانہ کی فکر ہے۔زبان اشخاص پر تبصرہ کے سلسلہ میں غیر معمولی طور پر محتاج ہوچکی ہے۔گویا ہمہ وقت اپنا احتساب ہے۔مولانا نے بہت سے موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے لیکن اگر اب کوئی ان سے قرآن اور سیرت اور اس کے متعلقات کے سوا کسی موضوع پر لکھوانا چاہے تو شاید وہ یہ جواب دیں گے:

چسکا پڑا ہے جام کا شغل ہے صبح وشام کا
اب میں تمہارے کام کا ہم نفس رہا نہیں

"قرآن تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ" ان کی بہت مقبول کتاب ہے۔اس کتاب کے علاوہ ان کی تصنیفات میں قرآنی موضوعات کو تلاش کیا جائے تو عربی میں "شرح کتاب النکت فی اعجاز القرآن" "ترجمات معانی القرآن الکریم وتطور فہمہ عند العرب" اور "مذاہب المحرفین فی التفسیر" کے نام سے اور عربی اور انگریزی دونوں میں "قاموس القرآن الکریم اور تعلیم لغۃ القرآن الکریم کے نام سے کتابیں ملیں گی۔سیرت کے موضوعات پر "پیغمبر اخلاق وانسانیت" "تاریخ تدوین سیرت" "ردائے رحمت" "عربی میں نعتیہ کلام" "ارشادات نبوی کی روشنی میں نظام معاشرت" فضائل درود وسلام"

"آفتاب نبوت کی چند کرنیں" ان کی کتابیں ہیں۔ادب وبلاغت ومنطق وسوانح پر کتابیں جوان کے زرنگار قلم سے نکلی ہیں وہ الگ ہیں۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن پھلواری شریف میں حاصل کی تھی۔پھلواری کے چمن علم سے فیض یاب ہونے کے بعد انہوں نے ندوۃ العلماء کے گلشن علم وادب سے فیض حاصل کیا۔مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی اور شاہ حلیم عطا صاحب جیسے ارباب کمال سے کسب کمال کیا۔دینیات اور ادبیات میں ملکہ حاصل کیا۔یورپ میں بھی تعلیم حاصل کی اور مکہ مکرمہ کی یونیورسٹی میں معلم بھی رہے۔چندے مقیم آستان غیر بھی ہوئے اور مستقل طور پر ساکن دیار خیر بھی ہوئے۔طواف کوئے ملامت بھی کیا اور آستانہ حرم پر جبیں سائی بھی کی۔مشرق ومغرب کے میخانے بھی دیکھے اور دونوں کے بادہ گسار بھی ہوئے۔لیکن مولانا کے علم وفضیلت کے جوہر اور علمی دینی ادبی اور تصنیفی کارناموں کے پس پردہ اصل روح "میر کارواں" کی کارفرما رہی ہے اور مولانا کو روشنی وہیں سے ملتی رہی ہے۔بقول اقبال

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

آنکھوں کی جانچ اور چشموں کا ایک قابل اعتماد مرکز

چشمہ ساگر

ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے

Auto Refrector Meter AR-860

فوٹوکرامک ☆ کونٹیکٹ لینس ☆ ہائی انڈیکس ریزی لینس

فینسی پاور اور دھوپ کے چشمے

ایک بار خدمت کا موقع دیں

آپٹیشین: اے رحمان (علیگ)

۲۱۲، معتبر گنج، اعظم گڑھ، فون 222008

جناب شاہد حسین صاحب کو صدمہ

جناب شاہد حسین صاحب کے صاحبزادے مشہود کے ہاں ایک نومولود بچہ نے ۱۴ گھنٹے اس دار فانی میں سانس لے کر دم توڑ دیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کے والدین اور جملہ اعزہ واقارب کو صبر جمیل دے اور والدین کے لئے اس بچہ کو توشۂ آخرت بنائے، ادارہ شاہد حسین صاحب اور ان کے خاندان کے غم میں شریک ہے۔اور خصوصاً برادرم مشہود کے ساتھ اظہار تعزیت کرتا ہے۔تعمیر حیات کی طباعت میں انھوں نے راقم سطور کے ساتھ جس غیر معمولی تعاون کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس کا اجر عطا فرمانے والا ہے۔اس لئے راقم الحروف ذاتی طور پر بھی خصوصیت کے ساتھ مشہود میاں کی تعزیت کرتا ہے اور ان کو صبر جمیل عطا کئے جانے کی عطائے رب رحیم وکریم سے دعا کرتا ہے۔

دعائے مغفرت

حضرت مفکر اسلام ؒ کے ارادت مند جناب بہاء الدین صاحب حیدرآبادی کی اہلیہ محترمہ کے انتقال کا سانحہ ماہ شعبان میں پیش آیا۔عالم پیری میں ان کے اس صدمہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ادارہ ان کے ساتھ دلی تعزیت کرتا ہے اور قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست کرتا ہے۔

☆محترم جناب الحاج وصدر انجمن تعلیمات دین مرآباد اکرام باری صاحب کی ہمشیرہ امینہ خاتون ۶۷ سال کی عمر میں ۲۲ر اکتوبر ساڑھے پانچ بجے شام کو روزہ کی حالت میں اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔اناللہ وانا الیہ راجعون ۔مرحومہ حضرت مولانا علی میاںؒ سے بیعت تھیں۔قارئین سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

اسلام اور مغربی دانشور

اے۔ایچ۔نعمانی

اسلام کی اسپین میں آمد کے بعد اس ملک میں ان کے علوم، فنون اور تہذیب نے جو اس دور میں ایک مثالی تہذیب تھی، یورپ پر بہت گہرا اثر چھوڑا۔وہاں کے لوگوں نے اندلس کی یونیورسٹیوں میں اسلامی علوم اور فنون کو سیکھا، اس کی اہم کتابوں کا اپنی زبانوں میں ترجمے کئے اور اس کے مطابق یورپ کے خدوخال سنوارنے کا کام کرنے لگے۔پندرہویں صدی میں یورپ ان جامعات سے فیض یاب ہوا اور اپنی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک مذہب سے روشناس ہوا (جس تجرباتی اسکول سے روجر بیکن اور فرانس بیکن متعارف ہوئے تھے) (یوجین کارل ڈوہرنگ) روجن بیکن نے اندلس کی اسلامی درس گاہوں سے علم حاصل کیا۔اس کی کتاب اوپس مجس کا پانچواں باب جو بصریات پر مشتمل ہے، وہ دراصل ابن الہیثم کی کتاب المناظر کی نقل ہے (ڈوہرنگ) روجر نے عربی زبان اور عربی علوم آکسفورڈ میں عربی اساتذہ سے پڑھے ہیں اس لئے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ تجرباتی نوعیت کے اسکول کی ایجاد کو بیکن کے نام سے منسوب کرے۔حقیقت یہ ہے کہ روجر نے صرف مسلمانوں کے علم اور طریقہ کو مسیحی یورپ تک پہنچایا ہے۔(میکنگ آف ہیومینیٹی ص ۲۰۲ بریفالٹ) عربی تہذیب نے موجودہ دنیا کو جو میراث سپرد کی ہے، اگرچہ اس کے ثمرات کافی تاخیر سے ظاہر ہوئے تاہم ہسپانوی عربوں کی ثقافت نے جس عبقریت کو جنم دیا تھا وہ اپنے عنفوان شباب کو اس وقت پہنچی جب اس تہذیب کو پس پشت ڈالے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا، صرف علم ہی یورپ کو حیات بخشنے والا نہیں ہے بلکہ اسلامی تہذیب کے بہت سے عوامل ہیں جنہوں نے اپنی ابتدائی کرنیں یورپ پر ڈالی ہیں (میکنگ آف ہیومینیٹی ص ۲۰۲) یورپی چمک دمک کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جس کی اصل پر اسلامی تہذیب کے اثرات نہ ہوں (میکنگ آف ہیومینیٹی ص، ۱۹۰)" ہمارا علم عربوں کا صرف مقروض ہی نہیں ہے کہ انہوں نے ہمیں جدید ترین نظریات اور حیرت انگیز انکشافات عطا کیے ہیں، بلکہ ہمارا علم سارا کا سارا عربوں کا بخشا ہوا ہے (میکنگ آف ہیومینیٹی ص، ۱۹۰) لیکن مغرب کسی بھی حال میں اسلامی تہذیب کی برتری برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے۔اور رومتہ الکبریٰ کے فرسودہ نظام کو مستحکم کرنا چاہتے تھے، کیونکہ وہ اپنے اقتدار اور پاپائیت کا نظام جو ان کے لئے بہت ہی نفع بخش تھا، مستحکم کرنا چاہتے تھے۔انہوں نے ان علوم وفنون کو جو اندلس میں عربوں سے سیکھا تھا، نہایت عیاری اور چالاکی سے اپنے نام منسوب کرکے اس کے اصولوں کو داغدار کرنے کے لئے اس کے خلاف معاندانہ، جھوٹا اور بے سروپا پروپیگنڈہ کرکے ان برائیوں کا جس سے اسلام کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا اس کے نام منسوب کردیا اور ان کی خوبیوں کو اپنی کہہ کر یورپ کو یہ سمجھایا کہ اسلام ان کے اور ان کی تہذیب کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔اس طرح یورپ کو خوفزدہ کرکے اور عربوں کے اثر ونفوذ کو روکنے کے لئے یہاں سالہا سال متحد ہوکر صلیبی جنگیں برپا کیں۔اور اسلام کے خلاف ہر ممکن جارحانہ اقدام کرنے لگے۔جب کہ ان کے علوم وفنون کو تو پہلے ہی اپنی طرف منسوب کرکے فوائد حاصل کرتے رہے۔(اب امت اپنے ذرائع ووسائل سے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بڑی فراوانی سے امت کو عطا کیے ہیں، اس سے فوائد حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے ممکنہ اقدام کرتی رہی اور آج بھی کررہی ہیں۔مغرب امت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے خلافت کے نظام کو جو ملت اسلامیہ کے اتحاد کا ایک ذریعہ تھا، کے خلاف ہمیشہ ریشہ دوانیاں کرتے رہے جس کی مثال خلافت اندلس، عباسی خلافت عثمانیہ وغیرہ ہیں۔یہی نہیں جب بھی کوئی ایسی قدآور شخصیت جوامت اسلامیہ کو متحد کر رہی تھی یا اس میں اس کی صلاحیت تھی منظر عام پر آئی تو مغرب نے ہر ممکن اقدام کرکے اس کو منظر سے غائب کرادیا۔جب بھی کچھ اسلامی ممالک نے اپنی صلاحیتوں میں استحکام پیدا کرکے اپنے ذرائع وسائل سے فوائد حاصل کرنے کی کوششیں کیں تو ان کو کسی طرح آپس میں لڑا کر اتنا کمزور کردیا کہ وہ اس کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں۔اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں آپ اس کا مشاہدہ کرتے آئے ہیں اور کر بھی رہے ہیں۔انہیں اپنے مفاد میں جب بھی ضرورت پڑی اسلامی مملکتوں اور جذبہ جہاد سے مدد لینے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوا۔سوویت یونین کا زوال اس کی ایک تازہ مثال ہے۔

لڑاؤ اور حکومت کرو

مغرب کی اس بدنام زمانہ پالیسی سے ہم سبھی واقف ہیں۔اب آیئے ہم تفصیل سے اس کا جائزہ لیں۔

خلافت عثمانیہ کے زوال کے لئے لارنس آف عربیہ کے ذریعہ عربوں اور ترکوں میں پھوٹ ڈال کر ان کی تفریق پیدا کرنا، اور زوال کے بعد خلافت عثمانیہ کو چھوٹے چھوٹے ممالک میں تقسیم کرکے باہم مشورہ سے مغرب کے ممالک کی کالونی بنا کر ان کے ذرائع و وسائل اپنے مفاد میں استعمال کرکے خود کو امیر اور انہیں پہلی بار بین الاقوامی اصولوں کو نظر انداز کرکے کسی ملک (فلسطین) میں اعلان بالفور کے ذریعہ صیہونی ریاست اسرائیل کا عربوں کے قلب میں قیام، دو عظیم مقاصد و مفاد کے حصول کے لئے کیا گیا۔ اول یہودیوں کی بے پناہ دولت اور ان کے مختلف ممالک پر گہرے اثر و رسوخ سے ہر قسم کا فائدہ اٹھانا۔ دوسرے عربوں کی دولت اور ان کے تیل سے اپنے سرمایہ میں اضافہ اور ان ممالک کو قلاش بنانا، عربوں میں انتشار پیدا کرنا، اسرائیل کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا۔

عرب پان ازم کے لیڈر کی شکل میں ناصر کے عروج میں مدد، ناصر کا ہوّا کھڑا کرکے مخالف عرب قوتوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانا نیز ان کی دولت مختلف بہانوں سے ہتھیانا۔

ناصر کو مشتعل کرکے اسرائیل سے لڑوانا۔ نتیجہ میں ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کے رقبہ اور ذرائع و وسائل میں بے پناہ اضافہ ہوا اور عربوں کو مغرب پر زیادہ انحصار کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

شاہ فیصل کے ۱۹۷۳ء میں تیل کو بطور ہتھیار کے استعمال کرنے سے خود کے لئے خطرہ محسوس کرکے، اور انہیں امت کے اتحاد کی علامت سمجھ کر نظرے ہٹانے کے لئے سازش کرکے قتل کرانا۔

اسلامی انقلاب ایران سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اس کے اثرات سے عربوں کو خوفزدہ کرکے عراق سے جو ایک ابھرتی ہوئی طاقت اور اسرائیل کے لئے خطرہ کی علامت تھی، عراق و ایران کو باہم لڑا دینا۔ اس لڑائی میں عربوں سے ان کی دولت کا عراق کے لئے اپنے فرسودہ ہتھیاروں کی فروخت کے لئے استعمال کرانا۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار کئے گئے ایک تو ایران اور عربوں کو کمزور کیا گیا اور اپنے بے کار ہتھیاروں کی فروخت سے دولت کمائی گئی۔

عراق کو جو اسرائیل کے لئے مضبوط ہو کر ایک عظیم خطرہ بن چکا تھا، کمزور کرنے کے لئے اس کو اکسا کر کویت پر حملہ کرانا، پھر کویت کی مدد کے بہانے عرب ممالک میں فوجی اڈوں کی تعمیر کرکے ان کے ذرائع و وسائل پر قابض ہو کر انہیں کی دولت کی مدد سے جنگ کرنا۔

جنگ کے نتیجہ میں عراق پر بذات خود مغرب نے اور اقوام متحدہ کے ذریعہ بے شمار پابندیاں لگوا کر اس کو تباہ و برباد ہونے اور سسک سسک کر مرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا گیا۔ ہمسایہ ممالک میں امریکی فوجی چھاؤنیاں قائم ہو گئیں، امریکہ نے مشرق وسطیٰ کے قلب میں اپنا خونی پنجہ گاڑ دیا۔

اس کو بھی اپنے مقاصد کے حصول میں ناکافی سمجھ کر وسیع پیمانہ پر تباہی کے ہتھیار کی تلاش کا شوشہ اور اس کا بے بنیاد جھوٹا پروپیگنڈہ کرکے اقوام متحدہ کے منع کرنے کے باوجود نیز بغیر کسی جواز کے بین الاقوامی، سیاسی اور اخلاقی اصولوں کو مسترد کرتے ہوئے عراق پر حملہ کر دیا۔ ہزاروں لاکھوں بے قصور معصوم شہری مع عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کے، بڑی بے دردی اور سفاکی سے شہید کئے گئے، لاکھوں کروڑوں کی املاک ہوائی حملوں، بموں اور بلڈوزروں سے تباہ و برباد کر دی گئی اور بہت سے معصوم بے گناہ شہریوں کو بغیر یہ بتائے ہوئے کہ ان کا جرم کیا ہے، آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا۔ اور پورا انتظام کر لیا گیا کہ دنیا کی کسی بھی عدالت میں ان سفاکوں سے انسانیت کے اس گھناؤنے جرم کے بارے میں باز پرس نہ کی جا سکے۔

مغرب کی کمزور ملکوں کے ذرائع و وسائل پر قبضہ کی کوشش

مغرب کے ممالک ایشیا کی اعلیٰ ٹکنالوجی کے حامل ہونے کی وجہ سے تیزی سے ترقی کر رہے ہیں۔ صنعتی اشیاء کی تیاری کے لئے کم قیمت پر کچا مال، تیل اور سستی افرادی قوت مہیا ہوتی رہے۔ یہ چیزیں مسلم ممالک کے پاس وافر مقدار میں ہیں۔ دستیابی کی دو صورتیں ہیں۔ ان کے ساتھ تعاون کرکے ٹکنالوجی کے بدلے کچا مال اور تیل حاصل کرکے پروڈکٹ تیار کیا جائے اگرچہ ایک لحاظ سے وہ دونوں کے مفاد میں ہے۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس طرح وہ بھی ترقی کرکے مقابلے میں آجائیں گے جو مغرب کے مفاد میں نہیں ہے۔ دوم یہ کہ کسی بھی حیلے بہانے سے بزور قوت مسلم ممالک کے ذرائع و وسائل پر مکمل کنٹرول حاصل کرکے اپنے مفاد میں استعمال کیا جائے اور انہیں اتنا کمزور کر دیا جائے کہ وہ مقابلے کی ہمت نہ کر سکیں۔ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، ان کے نزدیک یہی بہتر ہے۔

مغرب نے دوسرے طریقہ پر عمل کرنے کے لئے جو اقدامات کیے

کمیونزم کا زوال مغرب اور اس کی تہذیب کے تحفظ کے لئے ضروری ہے اس کے لئے سوویت یونین کا خاتمہ لازمی تھا۔

اس عمل سے وسط ایشیا اور ماتحت ریاستوں کے تمام ذرائع و وسائل اور تیل جو ان ممالک کی شہ رگ ہے پر کنٹرول حاصل کرنا آسان ہو جائے گا۔

صورت حال یہ تھی کہ سوویت یونین کا افغانستان پر قبضہ بالخصوص پاکستان اور عالم اسلام اپنے لئے خطرہ تصور کرتے چنانچہ اغیار کی پالیسی یہ رہی کہ اگر افغانستان، عرب، پاکستان اور دوسرے ممالک کے جذبہ جہاد کو ابھار کر جہاد کے خواہش مند افراد کا ایک لشکر ترتیب دے کر ان کو جدید اسلحہ کے استعمال کی بہترین ٹریننگ دے کر، حسب ضرورت ہر قسم کے اسلحے اور مالی امداد دے کر خود ملوث ہوئے بغیر باہر سے امداد فراہم کی جائے تو سوویت روس کو شکست دے کر بھی مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

اس اسکیم کی منظوری کے بعد عملی اقدام کے آغاز کے لئے مغرب نے اس پالیسی کے مطابق سب سے پہلے لگ بھگ سبھی ممالک سے ایسے مسلم نوجوانوں کا انتخاب کیا جن کو اس مقصد کے لئے مناسب اور مفید سمجھا گیا۔

افغانستان میں روسی فوجوں کی صلاحیت کے تناظر میں اس کے ہمسایہ ممالک میں مختلف تربیتی کیمپوں میں ان نوجوانوں کو ہر قسم کی وہ تربیت دی گئی جو روسی فوجیوں سے مقابلے کے لئے ضروری اور موثر ہو۔ انہیں ان تمام جدید جنگی ہتھیاروں کو چلانے کے لئے عملی طور سے ایسی ٹریننگ دی گئی، جن کے استعمال کا آنے والی جنگوں میں امکان ہو سکتا تھا۔ ان کے ممکنہ استعمال کے لئے مناسب ہتھیار، گاڑیاں اور دوسرے سبھی ساز و سامان فراہم کئے گئے۔ اور جاسوسی کے موثر اور مضبوط نظام کی تشکیل کی گئی۔

تمام ہمسایہ اور دوسرے ممالک جو اس حملے سے متاثر تھے، خصوصی طور سے پاکستان سے جو روسی حملے کا آخری نشانہ اور ٹارگٹ تھا ضروری تعاون حاصل کیا گیا۔

متعلقہ نوجوانوں کے جذبۂ جہاد کو ابھارنے کے لئے ہر ممکنہ ضروری تدابیر کرکے ان کو جوش جہاد کے جذبہ سے اس طرح سرشار کرکے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے پوری طرح آمادہ کیا گیا، کہ وہ اس دینی مقصد کی تکمیل کے لئے جان تک قربان کرنے کے لئے بخوشی تیار ہو گئے تاکہ شہید ہو کر اللہ کی خوشنودی حاصل کرکے جنت کے حق دار بن سکیں، یا غازی بن کر عزت اور سرفرازی حاصل کریں۔ اور اسامہ بن لادن کو ان کا سربراہ بنایا گیا۔

یہ دنیا کی واحد جنگ ہے جو کلی طور پر خالص جہاد کے جذبہ سے لڑی گئی۔ اور سالہا سال تک جاری رہی۔ اور اس کو ہر قسم کا تعاون جہاد مخالف قوتوں نے دیا۔ یہ عجیب بات ہے اور اس پر حیرت بھی ہے کہ اس میں ہتھیاروں، سامان و آلات، سامان خورد و نوش اور اس میں کام آنے والی ہر شے کی فراہمی ان ممالک اور طاقتوں نے کی جو اس سے قبل اسلام اور جہاد کے خلاف ہر قسم کے ساز و سامان، ہتھیاروں، فوجوں، چرچ کی دولت اور پاپائیت کے سائے میں پوری شدت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے ہر قسم کی چالاکی، عیاری، مکاری، جبر و استبداد کا ہر طریقہ اپناتے ہوئے صدیوں لڑی جاتی رہی ہے (صلیبی جنگ) جس کی وجہ سے دنیا کا امن و سکون غارت ہو گیا۔ قومیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ کمزور و معصوم عام انسانوں کو بہت تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ یہ ایک اہم سوال ہے کہ آخر یہ سب کیوں ہوا، اور کیسے مغرب کی یہ پالیسی تبدیل ہوئی، اس کی چند ایک درج ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں:

مغرب کو اپنی مصنوعات (پروڈکٹ) سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے لئے اس کو سستا اور وافر مقدار میں کچا مال، افرادی قوت سستی اور بنا کسی دشواری کے فراہم ہوتی رہے۔ یہ سہولت صرف انہیں ممالک سے ملنی ممکن ہے جو پسماندہ اور کمزور ہوں، یا بنا دیئے جائیں۔

اس وقت موجودہ تیل کے وسائل پر بھروسہ مثلاً تیل کے ہتھیار (۱۹۷۳ء کے تناظر میں) استعمال کرنا ہمیشہ مناسب نہیں ہو سکتا، نئے وسائل کی فراہمی ضروری ہے۔

روس کے زوال کے بعد کوئی دوسری طاقت اس کو اپنی من مانی کرنے میں مانع نہیں بن سکتی۔

براہ راست مداخلت کا خطرہ مول لئے بغیر روس کو شکست دینے کے لئے اس سے بہتر موقع اور موثر بہترین ذریعہ دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلام سے ازلی مخالفت کے اصول کو بالائے طاق رکھ کر اس سے فائدہ نہ اٹھانا ایک بڑی بے وقوفی ہوتی۔ اس سے ان کے کئی اور مسائل بھی حل ہونے کی امیدیں تھیں۔ اس طرح ایک تیر سے کئی شکار کئے جا سکتے ہیں۔

یہ وہ اہم وجوہات تھیں، جس نے مغرب کو ازلی دشمن اسلام سے تعاون کرنے پر مجبور کیا لیکن یہاں اس سے ایک بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ اس نے افغانستان میں ایک مضبوط حکومت کے قیام میں مدد دیئے بنا اپنے ہاتھ تمام معاملات سے یہ سوچ کر کھینچ لئے کہ متعلقہ لوگ معاملات کا تصفیہ کرانے کے لئے مجبور ہو کر آئیں گے، تب ہم اپنے مفاد میں زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کر سکیں گے۔ لیکن یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اور ابتدائی انتشار کے بعد طالبان نے امن و امان کرکے سبھی گروپوں کو شکست دے کر ملک پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

مغرب اس خطہ میں اسلام پسندوں کے تیزی سے بڑھتے ہوئے اثرات کو محسوس کرکے اندیشوں میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی پریشانی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ مغرب کو خطرہ ان لوگوں سے محسوس ہو رہا تھا جن کو اس نے ہر قسم کی امداد مہیا کرکے اس مقام

تک پہنچانے میں اہم رول ادا کیا تھا۔ان کو کمزور کرنے کے لئے ہر ممکنہ اقدام کیا گیا مگر بے سود۔ان سے صلح وصفائی کے لئے وسط ایشیا سے تیل وگیس لائن گزارنے کے مذاکرات کئے گئے۔مگر یہ سب مغرب کے مفاد میں سودمند ثابت نہیں ہوئے۔آخرکار اسلام پسندوں کے خاتمہ کے لئے اس بھرپور اقدام کا آغاز ہوگیا جس کو ۱۱ر ستمبر کہتے ہیں۔اس معرکہ میں امریکی مفاد اور اس کی ساکھ کو جو نقصان عظیم پہنچا ہے اس کی مثال امریکی تاریخ میں نہیں ملتی۔امریکہ ایک ایسے دلدل میں پھنس گیا ہے۔جس سے باعزت نکلنے کا کوئی راستہ بھی نہیں مل رہا ہے۔

اس جنگ کے اب تک کے اقدام کا تجزیہ

امریکہ کے دوستوں نے جنگ میں اسے تنہا چھوڑ دیا۔اس کے اپنے وسائل، سامان حرب اور افواج کا بے پناہ نقصان ہوا۔

جمہوریت اور انسانی حقوق کے محافظ کی حیثیت سے اس کی جو ساکھ تھی وہ خاک میں مل گئی۔امریکہ کو ایک شتر بے مہار سمجھ کر اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے مختلف ممالک کے کئی اتحاد بن گئے۔جو امریکہ سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے کا حوصلہ پاگئے۔نتیجہ میں امریکہ کے سپر پاور کا تصور عوام کے ذہنوں سے تیزی سے زائل ہورہا ہے۔

اسلام پسند عناصر عراق اور افغانستان میں شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے ایک تاریخ رقم کررہے ہیں۔اگرچہ اس کے نتیجہ میں انہیں اپنے بال بچے، مال، مویشی، گھر بار کھیت کھلیان سب کچھ قربان کرنا پڑ رہا ہے پھر بھی وہ اپنی بے مثال شجاعت اور قربانیوں سے سپر پاور کہے جانے والے امریکہ کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں جس نے مغرب کو بدحواس کررکھا ہے۔

ان کی اس روش سے متاثر ہوکر مغربی عوام اسلام کا مطالعہ اور تحقیق کرکے اسلام کی خوبیوں سے متاثر مشرف بہ اسلام ہورہے ہیں، لاکھوں اسلام قبول کرچکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

وہ سبھی ممالک جنہوں نے جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا تھا وہ ایک کو چھوڑ کر سبھی کنارہ کش ہوگئے اس سے امریکی ساکھ کو بے پناہ نقصان پہنچا۔

جنگ کے بے پناہ اخراجات سے امریکی معیشت کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ معاشرتی اور اخلاقی قدریں متاثر ہورہی ہیں۔

دوسری طرف اسلام پسند طبقے تیزی سے منظم ہورہے ہیں۔نوجوان طبقہ کثرت سے قرآن کا مطالعہ کرکے دعوت میں لگ گیا ہے۔اس کی وجہ سے عوام میں بہت زیادہ لوگ قرآن اور اس کی تعلیمات کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے لگے ہیں۔

مغرب میں عوامی ذہنوں پر اسلامی شریعت کے انتہائی غیر معمولی اثرات کو دیکھ کر لوگ حیرت زدہ ہوگئے ہیں انہوں نے اسلام اور اس کے جذبۂ جہاد کا بذات خود مطالعہ کیا اور کافی متاثر ہوکر بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور کررہے ہیں۔خواتین نے جو فیشن، سیکس، طلاق اور روزی کمانے کے لئے جد وجہد سے اکتا گئی تھیں قرآن کے مطالعے سے محسوس کیا کہ مغرب کی نسبت اسلام نے خواتین کو بہتر حقوق اور تحفظ عطا کیا ہے۔اور معاشرے میں باعزت اور پروقار زندگی بسر کرنے کے زیادہ مواقع دیئے ہیں۔اس لئے مردوں کی بہ نسبت خواتین کثرت سے اسلام قبول کررہی ہیں اور اسلامی طرز حیات کو صدق دلی اور مستحکم انداز سے اپنا رہی ہیں۔

(باقی آئندہ شمارے میں)

قنوج کے قدیم مشہور معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ واعلیٰ

عطریات

شمامۃ العنبر • عطر گلاب • روحِ خس • عطر موتیا
عطر حنا • عطر گل • عطر کیوڑہ
اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔
ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں
محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر
ایکسپورٹ اینڈ امپورٹر قنوج یوپی آئیڈیل پرفیوم سنٹر
(پرائیویٹ لمیٹیڈ) قنوج فون: 234445

نعت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم

تسنیم فاروقی

زیورِ عرش ہوا نقش کفِ پا اُن کا
آئینے آئینے میں عکس ہے چہرا اُن کا
شبِ معراج کے عرصہ کو کوئی نام نہ دو
اُن کی صدیاں ہیں برس اُن کے ہیں لمحا اُن کا
اِک ذرا پاک نگاہی کا سفر تیز کرو
پردے پردے سے نظر آئے گا جلوا اُن کا
کوئی اِک پل نہیں ملنے کا اذاں سے خالی
لبِ کونین پہ ہر وقت ہے کلمہ اُن کا
کاش ہر سمت درودوں کے ستارے برسیں
اونچے مسند پہ وسیلہ ہو سراپا اُن کا
ان کی رحمت میں دو عالم کی رضا کاری ہے
کوثر اُن کا ہے چمن اُن کے ہیں طوبیٰ اُن کا
آئینہ خانے کا ہر عکس بنایا جس نے
خود وہ عکاس ازل ہو گیا شیدا اُن کا
اُس کو صدیقؓ و عمرؓ دور نظر آتے ہیں
جس نے نزدیک سے دیکھا نہیں روضہ اُن کا
عائشہؓ بی بی پہ قرآن نے ضوباری کی
مصطفیٰ اُن کے زمیں اُن کی ہے حجرا اُن کا
بے شمار آنکھوں کی راحت ہے تمناؤں کا نم
سب کی منزل کا پتا گنبدِ خضرا اُن کا
ہم تو سانسوں کے مسافر ہیں زمیں پر تسنیم
شام اُن کی ہے فلک اُن کا سویرا اُن کا

اچھی بکری فوراً بھگتان

HXC
MOHD. HANIF FRUIT CO,
24/A, New Fruit Market,
Sitapur Road, Lucknow.
Ph: 2757791 (Off.) 2266296 (Res.)
Mobile: 94154110085
9335925571 (Wasim)

محمد حنیف فروٹ کمپنی
۲۴ر اے نیو فروٹ مارکیٹ
سیتاپور روڈ لکھنؤ۔۲۲۶۰۲۰
خدمت کا موقع دیں

ایک تازہ کتاب
بے حیائی اور بے پردگی ایک عظیم فتنہ
محمد وسیم صدیقی ندوی
موجودہ ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے اصلاح معاشرہ کی ایک سنجیدہ کوشش۔حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کے مقدمہ اور حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء کے افتتاحیہ کے ساتھ منظر عام پر۔طلباء کے لئے نصف قیمت ۴۰ر روپے
Mob:9839435237
ملنے کے پتے
مکتبہ ندویہ ندوۃ العلماء لکھنؤ —— الفرقان بک ڈپو۔نظیر آباد لکھنؤ

فقہی سوال وجواب

مفتی محمد طارق ندوی

س: ہندو غیر اللہ کے نام پر بکروں اور مرغوں کو چھوڑ دیتے ہیں کیا ایسے بکروں اور مرغوں کو شرعی طریقہ پر ذبح کرکے کھانا جائز ہے؟

ج: غیر اللہ کے نام پر چھوڑنے اور جانوروں کا استعمال یعنی ذبح کرکے کھانا جائز نہیں ہے۔

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام مشہور یعنی جانور کو حرام کردیا۔" (سورہ توبہ)

س: جس نام پر عقیقہ ہوا ہے، اس نام میں تبدیلی ممکن ہے یا نہیں نیز کیا لڑکے کے لئے عقیقہ میں ایک بکرا کافی ہے؟

ج: ہاں اگر ضرورت ہو یا لفظی اور معنوی کوئی خرابی ہو تو نام میں تبدیلی کی جاسکتی ہے نیز لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کرنا بہتر ہے لیکن اگر وہ سستے نہ ہوں تو ایک بکرا بھی کافی ہے۔

س: کیا وضو کرنے میں داڑھی کو اندر اور باہر سے تر کرنا ضروری ہے۔

ج: داڑھی اگر گھنی ہو کہ اندر کی جلد نظر نہ آئے تو صرف اس کے اوپر سے دھونا فرض ہے۔ اور خلال کرنا سنت ہے اور اگر ہلکی ہو تو پوری داڑھی کو تر کرنا ضروری ہے۔

س: کیا اگر کتے کی زبان کپڑے میں لگ جائے تو کیا کپڑا ناپاک ہو جائے گا؟

ج: ہاں کتے کا لعاب ناپاک ہے اس کے کپڑے پر لگ جانے سے کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔

س: ایک امام قرأت میں اعراب کی غلطی کرتا ہے تو کیا نماز صحیح ہو جائے گی؟

ج: اس وقت تک نماز صحیح ہو جائے گی جب تک معنی نہ بدلیں اگر معنی الٹے ہو جائیں جیسے انعمتَ کو انعمتُ کے ساتھ پڑھ دے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

س: کیا قرآن مجید ہاتھ میں لے کر لیٹ کر پڑھ سکتے ہیں؟

ج: قرآن مجید ہاتھ میں لے کر لیٹ کر پڑھنا ادب قرآن کے خلاف ہے لہٰذا مذکورہ طریقہ پر قرآن نہیں پڑھنا چاہئے۔

س: میں آئے دن بذریعہ ٹرین یا بس سفر کرتا ہوں، اکثر دوران سفر مختلف قسم کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کبھی قبلہ درست نہیں، کبھی رکوع سجدہ کے لئے مناسب جگہ نہیں کیا میرے لئے ممکن ہے کے گھر پہنچ کر نمازوں کو قضا کرلوں۔

ج: نمازیں جس حد تک قدرت ہو شرائط نماز اور فرائض کے ساتھ ادا کرے، اگر آپ گھر جا کر نماز کی قضا کریں گے تو عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔

س: ذبح کرتے وقت جانور کا رخ قبلہ کی طرف کرنا کیسا ہے؟

ج: مسنون ہے، بغیر عذر قبلہ کی جانب منھ نہ کرنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

س: ایک شخص قرأت سے پہلے رکوع میں چلا جاتا ہے اور حالت رکوع میں قرأت مکمل کرتا ہے کیا یہ درست ہے؟

ج: نہیں قرأت مکمل ہونے سے پہلے رکوع کرنا اور قرأت کو رکوع میں مکمل کرنا مکروہ ہے۔

اے قافلے والو!

سیمابؔ اکبرآبادی

اے قافلے والو! یہ کدھر عزمِ سفر ہے
جاتے ہو کہاں کون سی یہ راہ گزر ہے
امسال مدینے کی طرف قصد مگر ہے
یہ سچ ہے تو للہ مجھے ساتھ لگالو
اے قافلے والو!

درماندۂ منزل ہوں بہت خستہ قدم ہوں
بے یار و مددگار ہوں، آزردۂ غم ہوں
پابند مصیبت ہوں، گرفتار الم ہوں
ممکن ہو تو اس درد مصیبت سے چھڑالو
اے قافلے والو!

توشہ نہیں کچھ پاس کہ ہے دور مدینہ
دیکھو تو سہی میری مصیبت کا قرینہ
اک شوق فقط خاتم دل کا ہے نگینہ
افتادہ سرِ راہ ہوں للہ اٹھالو
اے قافلے والو!

پروفیسر عبدالحلیم ندوی: معلم، محقق اور ادیب

پروفیسر شفیق احمد خان ندوی (صدر شعبۂ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

شعبۂ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے پروفیسر ایمیریٹس پروفیسر عبدالحلیم ندوی جو اسّی سال کی عمر میں ۶ر رمضان المبارک کی رات میں دس بجے بتاریخ ۱۰ر اکتوبر ۲۰۰۵ء رحلت فرماگئے، دمشق (شام) کی مشہور اکیڈمی المجمع اللغۃ العربیۃ کے ممبر تھے، اور عربی زبان وادب کی لیاقت کے اعتراف میں صدر جمہوریہ ہند بھی نے ۱۹۸۶ء کے صدارتی انعام سے انہیں نوازا تھا۔ ڈاکٹر عبدالحلیم بن جناب عبدالعلیم مرحوم غیر معمولی صلاحیت کے مالک ایک تناور سایہ دار درخت کی طرح تھے، جس کے اکھڑنے سے گرد و پیش تھرتھراتا ہے اور کتنے ہی نفوس اس کی چھاؤں سے محروم ہوتے ہیں ان کی وفات کے بعد ان کے سینکڑوں شاگردوں کا احساس کچھ اسی قسم کا ہے۔ وہ عربی انگریزی کے کہنہ مشق اور تیز رفتار مترجم تو تھے ہی، دونوں زبانوں میں یکساں قدرت رکھنے والے قلم کار اور اپنی مادری زبان اردو کے پختہ کار ادیب، انشاء پرداز، اچھوتے فکر وخیال اور جدت طرازی پر مبنی علمی تحقیقات میں یکتائے روزگار تھے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ایک مشفق وشفیق استاد اور کامیاب تعلیمی منتظم اور مدبر تھے، جن کے چشمۂ فیض سے نصف صدی تک ہزاروں طلبہ اور تشنگان علم وادب آسودگی حاصل کرتے رہے۔ اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کی نگارشات سے ہمیشہ ہی فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

حلیم صاحب کی ولادت بتاریخ ۱۲ر مارچ ۱۹۲۶ء صاحب گنج دیوریا میں ہوئی تھی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت کے بعد انھوں نے جامعہ ملیہ دہلی سے بی اے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا۔ ۵۷-۱۹۵۶ء میں قاہرہ یونیورسٹی میں بھی رہے، جہاں سے واپس آکر علی گڑھ ہی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۳ء تک آل انڈیا ریڈیو میں عربی زبان کے ٹرانسلیٹر واناؤنسر رہے۔ اور اس کے بعد ۱۹۷۸ء تک جامعہ ملیہ میں عربی زبان کے لیکچرر، ریڈر اور صدر رہے۔ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۶ء تک سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش اینڈ فارن لینگویجز حیدرآباد میں رہے جہاں سے بانی صدر شعبۂ عربی اور ڈین فیکلٹی آف فارن لینگویجز کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ بعد ازاں جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۱ء تک مشغول رہے۔ مصر، شام، سعودی عرب اور عراق میں اعلیٰ درجے کے سرکاری اور ثقافتی اجتماعات میں سرگرم عمل رہے۔ ۱۹۸۳ء میں دمشق یونیورسٹی میں ویزیٹنگ پروفیسر بھی رہے۔ وزارت خارجہ حکومت ہند کے مشہور عربی مجلہ ثقافۃ الہند کی فائلوں میں حلیم صاحب کے درجنوں مقالات موجود ہیں۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن اور مولانا آزاد کے مضامین کے عربی تراجم کے ساتھ ساتھ ٹیگور اور پریم چند وغیرہ کی بہت سی کہانیوں کے عربی تراجم بھی ان کے قلم سے ثقافۃ الہند میں شائع ہو چکے ہیں۔ کئی کتابوں کے مسودے ابھی تک غیر مطبوعہ ان کے گھر میں موجود ہیں جن میں یہ مسودے قابل ذکر ہیں (۱) تاریخ زبان عربی (۲) عربی افسانہ نگاری (۳) جدید عربی شاعری کا انتخاب اور (۴) عربک بیسک ریڈر۔

موصوف علیہ الرحمۃ کا تعلق ڈاکٹر ذاکر حسین خاں سے نہایت گہرا تھا۔ ذاکر صاحب کے ساتھ انھوں نے ۱۹۳۸ء میں 'نئی روشنی' کی ادارت میں شرکت کی۔ ڈاکٹر عابد حسین کے ساتھ بھی وہ برسہا برس اسلام اور عصر جدید اور اسلام اینڈ ماڈرن ایج کے سب ایڈیٹر رہے، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب نے انھیں ریٹائرمنٹ کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ میں استاذ زائر کی حیثیت سے مہینوں مقیم رکھا۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شخصیت بیسویں صدی کی تین بڑی شخصیات اور عبقریات کے اثرات سے متاثر اور فیض یافتہ تھی۔ دہلی سے شائع ہونے والے رسالوں "رسالۂ جامعہ" اور عصر جدید، اسلام اینڈ ماڈرن ایج اور ثقافۃ الہند میں پروفیسر عبدالحلیم کے سینکڑوں مضامین، مقالات اور جائزے شائع ہوئے۔ رسالۂ جامعہ میں جدید عربی فکشن، ڈرامہ اور شاعری پر چھپے ہوئے ان کے مقالات کو خصوصی مقبولیت حاصل ہوئی۔

بحیثیت معلم ندوی صاحب ایک مثالی استاذ تھے۔ راقم سطور ندوۃ العلماء سے فضیلت کی تکمیل کے بعد ۱۹۶۷ء میں جامعہ ملیہ کی دسویں کلاس میں داخل ہوا تھا۔ ندوی صاحب اس وقت بی۔ اے کے طلبہ کو جامعہ کالج میں عربی پڑھاتے تھے پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی صاحب جامعہ ہائر سیکنڈری اسکول میں ہمارے استاد تھے۔ یہ دونوں اساتذہ اسکول اور کالج کے آل جامعہ عربی کلب (النادی العربی الادبی) کے ہفتہ واری جلسے مشترکہ طور پر کرتے تھے اور عربی بول چال سکھانے پر خصوصی توجہ دیا کرتے تھے۔ ان حضرات نے کئی انعامی مقابلے بھی کرائے ایک مقابلے میں شام کے مشہور شاعر ابو ریشہ

نے شریک ہوکر راقم سطور کو بھی اول انعام سے نوازا تھا۔ جس کا عنوان "الطالب فی بناء الوطن" ندوی صاحب عموماً تقریر وتحریر کے لئے ایسے عناوین دیا کرتے تھے، جو طلبہ کو خود بخود عربی زبان کی لغوی تراکیب کے استعمال کی عادت ڈلوا دیتے تھے مثلاً ایک بار عربی تقریر کے لئے دیا ہوا عنوان تھا "لو حصلت علی الف روبیه" جس کی تیاری کے بعد ہم خود بخود ہی "لو" کے ساتھ اس کے جواب پر "ل" اور صیغہ ماضی کے استعمال کے عادی ہوگئے تھے اور الف کے عدد کے ساتھ معدود مفرد اور مکسور بھی خود بخود ہی بہ آسانی استعمال کرنے لگے تھے، نتیجتاً طلبہ کی زبان پر اس طرح کے جملے چڑھ چکے تھے لو حصلت علی الف روبیة لاشتریت ساعة، لو نجحت فی الامتحان لکنت موظفا، لو کنت میلو نیر لاشتریت سیارة وغیرہ وغیرہ۔ پروگرام کے دوران استاذ حلیم صاحب بلیک بورڈ کی مدد سے مختلف لغوی تراکیب کی جو تشریح کرتے تھے اور تلفظ کی درستگی پر توجہ واشارات کنایات اور ایکٹینگ جس طرح سے کرتے تھے وہ کسی کامیاب استاذ ہی کے بس کا کام تھا جس کی بنا پر طلبہ صحت نطق ومخارج کے ساتھ خالص عربی لغوی تراکیب کے استعمال پر کم سے کم وقت میں قادر ہو جاتے تھے۔ ۱۹۷۶ء میں راقم سطور بحیثیت لکچرر جب علی گڑھ سے جامعہ ملیہ واپس آیا تو تین سال تک دور سے حلیم صاحب کی کلاسوں اور تختہ سیاہ پر لکھی ہوئی ان کی تحریروں کو دیکھنے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ وہ نہایت دلسوزی کے ساتھ کلاس میں فنکار کی طرح معلومات کو ذہن نشین کر دیا کرتے تھے۔ اللہ انھیں غریق رحمت کرے وہ ایک کامیاب اور مثالی معلم تھے۔

مرحوم کی تالیف کردہ ایک ضخیم کتاب مراکز تعلیمیة وثقافیته فی الهند بھی بہت پہلے شائع ہوئی تھی۔ جس میں ہندوستان کے بڑے مدارس اور ان کی نصاب ونظام تعلیم پر تفصیلی گفتگو ہے۔

عربی زبان وادب پر کونسل برائے فروغ اردو زبان (ترقی اردو بورڈ) کے اردو انسائیکلو پیڈیا میں ان کا ایک مفصل باب چھپ کر منظر عام پر بہت پہلے آچکا ہے۔

۱۳ویں صدی عیسوی کے نامور عالم شہاب الدین احمد بن عبدالوہاب نویری (۶۷۷۔۷۳۲ھ) نے علوم اولین پر مشتمل ۳۰ جلدوں میں ۴۵۰۰ صفحات پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیا قلم بند کیا تھا۔ جو مخطوطہ کی شکل میں قاہرہ میں موجود تھا جسے مشہور مصری محقق زکی مبارک استنبول سے فوٹو کرا کر لائے تھے جس کی بیس جلدیں شائع بھی ہوچکی تھیں۔ ندوی صاحب نے قاہرہ میں ڈاکٹر سہیر قلماوی کے مشورے سے اس انسائیکلو پیڈیا کے تمام اجزاء کا گہرا تنقیدی وتحقیقی مطالعہ کیا اور پھر منهج النویری فی کتابة نهایة الادب فی فنون الادب (بحث، ودراسته مقارنة، ونقد) کے نام سے ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ایک کتاب دارالفکر، دمشق (شام) سے ۱۹۸۷ء میں شائع کیا۔ مرحوم کا یہ ایک بڑا کارنامہ تھا جس کو شائع کرنے سے پہلے علی گڑھ میں انھوں نے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے داخل کیا تھا اور اس پر یہ ڈگری حاصل کی تھی۔

مطبوعہ کتابوں میں تین جلدوں پر مشتمل ان کی کتاب 'عربی ادب کی تاریخ' نے خاصی مقبولیت حاصل کی جس کا پہلا حصہ ۱۹۷۶ء میں پہلی بار ترقی اردو بیورو (موجودہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان) سے شائع ہوا تھا۔ پہلی جلد زمانہ جاہلیت کے عربی ادب کی تاریخ پر مشتمل ہے، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے گراں قدر مقدمہ سے مزین ہے۔ مولانا نے اس مقدمہ میں حلیم صاحب کی قدرشناسی کرتے ہوئے تاریخ ادب کے اس سلسلے کی تکمیل کو نصاب کا ایک بڑا خلا پر کرنے والا اور ایک اہم ضرورت کی تکمیل کرنے والا بتاتے ہوئے لکھا کہ: "حلیم صاحب کے ذہن وذوق نے اس موضوع کو صحیح طور پر ہضم کرلیا ہے اور وہ اس میں محض نقال اور خوشہ چین نہیں ہیں بلکہ اس سے لطف لینے میں اہل زبان کے شریک اور اہل ذوق کے ہم نفس اور ہم نوا ہیں۔ ان کی تحریر میں سنجیدگی بھی ہے، شگفتگی بھی، سلاست بھی، حلاوت بھی، مؤرخ کا احساس ذمہ داری بھی اور ادب کے ایک طالب علم اور صاحب ذوق کا انبساط واحتفاظ بھی۔" یہ مقدمہ بجائے خود حلیم صاحب کی لیاقت پر ایک مضبوط شہادت ہے۔

دوسری جلد صدر اسلام کے عربی ادب کی تاریخ پر مشتمل ہے، جس میں عربی زبان پر اسلام کے اثر اور نثری وشعری سرگرمیوں کے جائزے کے بعد کعب بن زہیر، لبید بن ربیعہ، خنساء، حطیئہ، حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ، نابغہ جعدی، عمرو بن معدی کرب اور ابوذؤیب ہذلی جیسے نمایاں شعراء پر نہایت سلیس وشگفتہ زبان اور ادیبانہ لب ولہجے میں ایسی گفتگو ہے، کہ جو موقع محل کی مناسبت سے جگہ جگہ اردو اشعار سے بھی مزین ہوکر لطف ولذت اور دلکشی میں اضافہ کیے بغیر نہیں رہتی۔ کتاب کے مطالعے سے مؤلف کی خوش مذاقی، ذوق شعری اور اس فنکارانہ چابکدستی کو داد دیئے بغیر رہا نہیں جاتا جس نے بھاری بھرکم الفاظ، کرخت تراکیب اور روکھے پھیکے مضامین کو اردو زبان کی شاعرانہ موشگافیوں سے آراستہ کرکے مزید دلکشی ورعنائی عطا کی ہے۔

عربی ادب کی تاریخ نگاری میں حلیم ندوی صاحب محض ایک مؤرخ نہیں ان کی تحریریں صاحب بصیرت نقاد، خوش مذاق ادیب، باریک بین محقق، کہنہ مشق مترجم اور تجربہ کار معلم کی خصوصیات سے تمام تر متصف ہونے کے ساتھ ساتھ جا بجا فارسی اور اردو اشعار کے بے تکلف فطری ترشح سے انتہائی پرلطف ہیں۔ بطور نمونہ چند ملاحظات پیش خدمت ہیں: ندوی صاحب علیہ الرحمہ نے اسی سال کی عمر پائی۔ جب کہ وہ زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر زہیر بن ابی سلمٰی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھ چکے تھے کہ انسان جتنی لمبی زندگی پاتا ہے اتنا ہی اس زندگی سے اکتا جاتا ہے کہ دنیا بڑی تکلیف دہ ہے۔ زہیر نے کہا تھا: میں زندگی کے بار گراں سے اکتا چکا ہوں اور جو شخص اسی سال تک زندہ رہے گا، تیرے باپ کی قسم، وہ زندگی سے اکتا ہی جائے گا:

سئمت تکالیف الحیاة ومن یعش
ثمانین حولا لا ابا لك سیام

اس کے بعد زہیر کے اگلے شعر

لسان الفتی نصف ونصف فواده
فلم یبق إلا صورة اللحم والدم

اس شعر میں دل کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ انسان درحقیقت عبارت ہے دل اور زبان سے یعنی جس کا دل اچھا ہو اور زبان پاک ہو وہ درحقیقت انسان ہے۔ اگر یہ نہیں تو محض گوشت پوست کا لوتھڑا ہے۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب وہنرش نہفتہ باشد

کعب بن زہیر کا نام آتے ہی حلیم صاحب یہ شعر پڑھتے ہیں:

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفو بندہ نواز میں

پھر اس کے بعد تفصیل بیان کرتے ہیں کہ ایک بار کعب بن زہیرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ناراض تھے کہ ان کا خون ہدر کردیا تھا لیکن جب انھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کرکے اپنا سر آپ کے قدموں میں ڈال دیا اور پھر آپ کی مدح اور معذرت میں ایک لاجواب قصیدہ پڑھ کر سنایا تو آپ اتنے خوش ہوئے کہ نہ صرف یہ کہ ان کے سارے گناہ معاف کردیئے، بلکہ فرط انبساط میں اپنی چادر مبارک ان کو اڑھادی، جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ کعب متجات پاگئے بلکہ ان کا قصیدہ عربی شاعری میں قصیدة بردہ کے نام سے مدح ومعذرت کا شاہکار بن گیا۔ (عربی ادب کی تاریخ ج ۲ ص ۱۶۱) حضرت کعب ہی کے بعض دیگر اشعار کی تشریح کرتے ہوئے ندوی صاحب کہتے ہیں کہ: "کعبؓ کے کلام میں فیض رسول اور فیضان قرآن کریم سے حکمت وموعظت اور فلسفۂ حیات کی چاشنی بھی آگئی" چنانچہ ایک موقع پر انھوں نے کہا کہ مجھے اس شخص پر بڑا تعجب ہوتا ہے جو دنیا کے لئے مرجاتا ہے (ص ۱۷۵) مگر یہ نہیں سمجھتا کہ "پس پردۂ مقدر قضا کے تیور چڑھے ہوئے ہیں" اسی لئے وہ محال چیزوں کے حصول کے لئے جان لڑادیتا ہے انسان اپنی لمبی چوڑی آرزوؤں اور تمناؤں کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتا رہتا ہے بھلا خواہش اور تمنائیں کہیں پوری ہوتیں ہیں؟ کہ ع

"ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے"

حضرت خنساءؓ مرثیہ نگاری میں طاق تھیں۔ ان پر گفتگو کا آغاز حلیم صاحب نے اس طرح کیا:

آنکھوں کو شغل گریہ ہمیشہ رہا عزیز
دریا کہ ساری عمر روانی میں کٹ گئی

یہ ہے خنساء کی مختصر لیکن جامع تصویر۔ بڑی دردناک اور دل خراش اور کیوں نہ ہو؟ کئی شوہروں نے داغ جدائی دیا۔ وہ عزیز ترین بھائی لقمہ اجل ہوئے جن کو روتے روتے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی اور آخر میں رہی سہی زندگی کی ساری پونجی لٹ گئی۔ دل زخم خوردہ کے چار ٹکڑے، بڑھاپے کے سہارے، چار خوبرو اور تنومند بیٹوں کو جنگ قادسیہ کھا گئی۔ گریہ آنکھیں بھائیوں کو ساری عمر روتے روتے اندھی ہو چکی تھیں۔ خشک تھیں اور انہیں کے ساتھ زبان بھی بند، کہ اسلام نے مرثیہ گوئی کو منع کردیا تھا۔ اس صدمہ جانکاہ سے جو آہ نکلی وہ بھی صبر وشکر تھی۔ جب ایک کے بعد دوسرے اور تیسرے کے بعد چوتھے بیٹے کے قتل ہونے کی اطلاع ملی تو بولیں "الحمد لله الذی شرفنی بقتلهم" خدا کا شکر ہے جس نے ان کو شہادت دے کر مجھے سرخ روئی بخشی۔ کہاں اسلام سے پہلے آنسوؤں کی دریا کی سی روانی اور اسلام کے بعد پہاڑوں جیسا صبر وثبات!

یہ تھیں تمام تماضر جن کا لقب تھا خنساء، مشہور صحابیہ اور صرف مخضرم میں ہی نہیں بلکہ تمام عرب عورتوں میں شعر وشاعری اور خاص طور سے مرثیہ میں ممتاز اور عدیم المثال کہ عربی ادب کی تاریخ میں وہ پہلی شاعرہ ہیں جنہوں نے دل دوز اور جاں فگار مرثیہ گوئی کی بنیاد ڈالی۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہیں اپنی قادر الکلامی مہارت کا احساس تھا چنانچہ انہوں نے خود ہی کہا کہ میرے اور میرے بیٹے (عبدالرحمٰن بن حسان جو خود بھی شاعر تھے) کے بعد شعر وشاعری کا اور زید بن ثابت کے بعد قرآن کا کون رہ جائے گا۔

من للقوافی بعد حسان وابنه
ومن للمثانی بعد زید بن ثابت

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

الغرض پروفیسر عبدالحلیم ندوی مرحوم ایک مثالی معلم، بالغ نظر محقق، کہنہ مشق مترجم اور ممتاز ادیب تھے، اللہ انھیں غریق رحمت فرمائے۔

پروفیسر عبدالحلیم ندوی

عربی زبان وادب کے ممتاز عالم و محقق

پروفیسر محسن اجتباء ندوی

عربی زبان وادب کے ممتاز ونامور ادیب ومحقق مولانا پروفیسر عبدالحلیم صاحب ندوی کا ۶ر رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۱ر اکتوبر ۲۰۰۵ء کو دہلی کے اپولو اسپتال میں انتقال ہوگیا، إنا لله وإنا إليه راجعون، مرحوم عرصہ سے علیل تھے اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل۔ تدفین جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں ہوئی ان کی ایک تحریر کے مطابق ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے تھے، ابتدائی تعلیم کے بعد ایک بزرگ مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل کرادیا وہاں انھوں نے بڑی محنت، لگن اور شوق سے تعلیم مکمل کی، امتیازی نمبر حاصل کئے اس دور کے ممتاز اور مایۂ ناز اساتذہ دارالعلوم سے شرف تلمذ حاصل کیا خاص طور سے ان کے اساتذہ میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی، مولانا محمد ناظم صاحب ندوی، مولانا مسعود عالم صاحب ندوی، مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی اور مولانا جلیل احسن صاحب ندوی رحمہم اللہ کی شفقت وتوجہ زیادہ رہی، آخرالذکر نے عربی قواعد میں استعداد پختہ کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا، پروفیسر ندوی صاحب اس کو یاد کرکے ان کا والہانہ تذکرہ کرتے تھے، میرے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے منسلک ہونے کے بعد ایک بار وہ تشریف لائے اور ندوی صاحب نے اپنے دولت کدہ پر انھیں ٹھہرایا، بڑی نیاز مندی سے ان کی خدمت کی، طالب علمی کے زمانہ میں ان کی توجہ وشفقت کا بڑی ممنونیت سے ذکر کرتے رہے، مولانا مرحوم سے بھی میں نے ندوی صاحب کے بارے میں بڑے اچھے تاثرات سنے، عبدالحلیم صاحب مرحوم عربی دنیا اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے بعد بھی دارالعلوم اوران اساتذہ کا محبت وعقیدت اوراحسان شناسی کے ساتھ برملا تذکرہ کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ یونیورسٹی سے ریٹائر ہونے کے بعد حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے کچھ دن دارالعلوم کے شعبۂ عربی کے طلبہ کو اپنی طویل تدریسی تجربات سے فیض بھی پہنچایا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد بے حد مشفق، مقبول ومحترم استاذ مولانا عبدالسلام قدوائی صاحب" انھیں اپنے ساتھ جامعہ ملیہ اسلامیہ لے آئے، اس وقت کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (سابق صدر جمہوریہ) کی خدمت میں ان کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ "ذاکر صاحب! میں اس طالب علم کو آپ کے پاس اس لئے لایا ہوں کہ یہ بڑے ہونہار اور ذی استعداد ہیں، آپ ان کو مزید تعلیم حاصل کرنے کا موقع دیں، بہت کام آئیں گے" ذاکر صاحب مرحوم بڑے مردم شناس اور کام لینے کا گر جانتے تھے، عبدالحلیم صاحب کی عصری تعلیم شروع ہوئی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ ہی سے بی۔اے کی سند حاصل کی اس دوران ذاکر صاحب کے ساتھ اردو اور عربی کاموں اور ترجموں کا فریضہ بھی ادا کیا، دارالعلوم ندوہ کی تعلیم وتربیت اور جامعہ کے مزاج وروح کے ایک عمدہ نمونہ بن کر علمی وادبی خدمات انجام دینا شروع کیا، صحافت کے ساتھ عربی کی کلاس بھی لینے لگے اسی دوران مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے عربی زبان وادب میں ایم۔اے کیا، اور آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ عربی میں مترجم وانا ؤنسر کے طور پر تقرر ہوگیا، مگر چونکہ ان کا قیام جامعہ نگر ہی میں رہا اس لئے جامعہ کی مختلف سرگرمیوں میں جامعہ کے قدیم طالب علم اور علمی وادبی ذوق کی بنا پر بھرپور حصہ لیتے رہے، اور کوشش کرتے رہے کہ جامعہ ملیہ میں مستقل عربی شعبہ قائم کردیا جائے۔

۱۹۵۶ء میں انھیں حکومت ہند کی جانب سے ایک سال کے لئے قاہرہ (مصر) جانے کا موقع مل گیا وہاں انھوں نے قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے بہت فائدہ اٹھایا اور پروفیسر سہر قلماوی کے زیر نگرانی (منہج النویری) پر پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لئے رجسٹریشن کرایا مگر وقت تنگ ہونے کی وجہ سے وہاں تکمیل نہ کرسکے، بعد میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے یہ ڈگری اسی موضوع پر رسالہ مکمل کرکے حاصل کی، ۱۹۸۳ء میں دارالفکر دمشق نے اسے شائع کیا۔

۱۹۶۲ء میں پروفیسر ندوی صاحب کا جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بطور لیکچرر تقرر ہوگیا، وہ کالج کے اسباق کے ساتھ ثانوی مدرسہ کی عربی کلاس بھی پڑھاتے تھے، ۱۹۶۵ء میں میرے تقرر کے بعد وہ کالج کے لئے یکسو ہوگئے اور شعبۂ عربی کے باقاعدہ قیام کے لئے کوشش کرتے رہے۔ ۱۹۷۳ء میں ان کو بطور ریڈر منتخب کرکے ہم دوافراد پر مشتمل شعبہ قائم کردیا گیا، چند مہینوں کے بعد ہی پروفیسر سید ضیاء الحسن صاحب ندوی مرحوم کا تقرر ہوگیا، تین سال کے بعد اسلامک اسٹیڈیز اور فارسی کو بھی شامل کرلیا گیا، اس طرح اس میں وسعت بھی دی گئی اور اہمیت وافادیت میں بھی اضافہ کردیا گیا۔

۱۹۷۹ء میں ندوی صاحب پروفیسر منتخب ہوکر (سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش وفارن لنگویجز) حیدرآباد منتقل ہوگئے اور وہاں انھوں نے شعبۂ عربی قائم کرکے لائق تحسین خدمات انجام دیں، وہاں سے ۱۹۸۶ء میں ریٹائر ہوکر دہلی کی جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے منسلک ہوگئے۔

۱۹۹۴ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ عربی نے انھیں ان کی گرانقدر خدمات کی بنا پر تاحیات پروفیسر آف امیریٹس منتخب کرلیا، ۱۹۸۳ء میں شام وہند کے ثقافتی تبادلہ کے منصوبہ کے تحت دو ہفتہ کے لئے ملک شام تشریف لے گئے اور وہاں کی متعدد یونیورسٹیوں میں لیکچر دیئے، اسی دوران (مجمع اللغۃ العربیۃ دمشق) نے انھیں مراسل ممبر نامزد کیا۔

پروفیسر ندوی صاحب کی دو کتابیں عربی زبان میں شائع ہوئیں:

۱۔ پی۔ایچ۔ڈی کا رسالہ (منہج النویری) ممتاز تحقیقی کاوش ہے۔

۲۔ (المراکز الاسلامیه والمدارس الدینیة فی الهند) ہندوستانی وزارت خارجہ نے ہندوستان کے مدارس ومراکز کے تعارف کے لئے یہ کتاب تحریر کرائی تھی۔

۳۔ اردو زبان میں تاریخ ادب عربی تین حصوں میں لکھی۔

عباسی دور پر مشتمل علاحدہ ایک حصہ لکھنا چاہتے تھے مگر تحریر نہ کرسکے کچھ عرصہ تک ندوی صاحب اپنے استاذ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کے معاون ایڈیٹر کے طور پر (اسلام اور عصر جدید) میں کام کیا۔

پروفیسر عبدالحلیم صاحب ندوی کے پسماندگان میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اور چاروں تعلیم یافتہ ہیں ایک انجینئر اور دوسری بیٹی ڈاکٹر ہے اور امریکہ میں مقیم ہے دوسرے دونوں بیٹے اور بیٹی بھی ماشاء اللہ تعلیم سے آراستہ ہیں اور ملک میں ہی قیام پذیر ہیں۔

پروفیسر عبدالحلیم صاحب ندوی ایک خوش اوقات اور بااصول شخصیت کے مالک تھے، قد چھوٹا مگر علم وعقل بڑی واعلیٰ تھی، اس مثل کے مصداق تھے "بقامت کہتر بقیمت بہتر" وہ عربی، اردو اور انگریزی پر عبور رکھتے تھے، اور تحریر، تقریر اور ترجمہ پر بے پایاں قدرت رکھتے تھے، دقیقہ رس، نکتہ سنج، ذہین وطباع تھے، نڈر، بے باک اور حق گو تھے اس میں کبھی تلخ نوائی بھی پیدا ہوجاتی تھی، مشتعل جلد ہوجاتے تھے اور راضی وخوش بھی جلد ہی ہوجاتے تھے، جو بات بری لگتی برملا ٹوک دیتے تھے خوشامد، چاپلوسی، کاسہ لیسی ان کی فطرت نہیں تھی، جہاں رہے وقار وشان کے ساتھ رہے اور اپنی شرطوں پر رہے، اقدار واصول سے تنازل اختیار نہیں کیا۔ ایک زمانہ میں روشن خیالی کا دور اٹھا تو اس کے حامی وداعی ہوگئے لیکن عقیدہ واصول سے سمجھوتہ نہیں کیا، آخر میں دین سے وابستگی اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں زیادہ اہتمام کرنے لگے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرکے اور درجات بلند کرے۔

ایک زندگی - ایک سفر

یعنی

"قاضی اطہر مبارک پوری کے سفرنامے"

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

زندگی اوراس کی نقل وحرکت اوراس میں فکر وعمل کا وجود بھی اور ظہور بھی (حجاز مقدس، ممبئی، ایلورا، دہلی، گجرات، کوکن، غازی پور جنوب ہند کے سفر کی مفصل روداد)

مجلد، خوبصورت سرورق - صفحات ۳۵۰ - قیمت -/۱۴۰ روپئے

ناشر

قاضی اطہر اکیڈمی - لکھنؤ

اسٹاکسٹ رڈسٹری بیوٹر: ندوی بک ڈپو، پوسٹ باکس 93 لکھنؤ Ph: 0522-2741225

بابو بھائی مہتا رح

ایسا کچھ کر گئے یہاں کہ بہت یاد رہیں

مولانا شمس الحق ندوی

جوہر انسانیت ، مکارم اخلاق، دردمند دل، خدمت خلق، فیض رسانی عام، صبر و شکر گزاری ان میں سے کوئی بھی دولت کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ذالک فضل الله یوتیه من یشاء۔ اللہ کی دین ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

دن تاریخ تو یاد نہیں تقریبا ۳۴ سال پہلے کی بات ہے رمضان المبارک کا مہینہ تھا بمبئی میں ڈونگری نور مسجد کے قریب ایک چھوٹے سے آفس میں محمد بھائی مہتا سے ملاقات ہوئی جہاں تک یاد پڑتا ہے دفتر میں ایک قدرے لمبی میز دو کرسیاں اور ایک بنچ پڑی تھی، ایک کرسی پر محمد بھائی مہتا اور دوسری کرسی پر انکے نوجوان بیٹے ابوبکر مہتا (جو بابو بھائی مہتا) کے نام سے مشہور ہیں بیٹھے تھے، ملاقات ہوئی۔ یہ پہلی اور واجبی ملاقات تھی اپنی بات کہی حسن اخلاق کے ساتھ اس کا عملی جواب ملا اور چلا آیا اس آفس میں اس کے بعد کتنے دن گذرے کچھ یاد نہیں نوعمری کا زمانہ تھا کچھ زیادہ بات چیت کرنے کا شعور تھا نہ انکو فرصت کچھ عرصہ کے بعد اسی روڈ پر تھوڑا ہٹ کر باپ بیٹے کے حسن عمل اور حسن کردار کی برکت سے ایک شاندار ائیر کنڈیشن آفس اور سکریٹریٹ قائم ہو چکا تھا۔ محمد بھائی مہتا اور ابوبکر بن محمد مہتا (عرف بابو بھائی مہتا) باپ بیٹے اب دوسری آن بان کے ساتھ آفس میں بیٹھتے تھے لیکن آنے والوں سے تواضع کے ساتھ محبت واکرام کے ساتھ مسکراتے ہوئے ملتے تھے۔ اب کچھ دیر بیٹھنے اور بات چیت کرنے کا موقع بھی ملنے لگا کچھ سالوں کے بعد محمد بھائی مہتا یعنی بابو بھائی مہتا کے پدر بزرگوار انتقال فرما گئے تھے۔ رفتہ رفتہ راہ ورسم بڑھتی گئی اور بابو بھائی مہتا سے باتوں کا سلسلہ طویل ہونے لگا بابو بھائی مہتا طبیعتاً بڑے نیک اور خوش مزاج تھے علماء اور اہل دین سے بڑی محبت و عقیدت رکھتے تھے چنانچہ اول اول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے بیعت ہوئے، ان کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالحلیم سے بیعت ہوئے۔ طبیعت میں رچا بسا خیر و صلاح کا عنصر دن بدن ترقی کرتا گیا۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی خدمت میں بھی سہاگ پیلس محمد بھائی مالک آندھرا ٹرانسپورٹ کے یہاں جو حضرت کی قیام گاہ تھی اور حضرت سکون کے ساتھ کسی علمی کام کو انجام دینے کے لئے ہفتہ عشرہ وہاں قیام فرماتے تھے حاضری دینے لگے اور پوری عقیدت، محبت اور وارفتگی کے ساتھ مولانا عبدالحلیم کے انتقال کے بعد مفکر اسلام سے بیعت کا تعلق بھی قائم کرلیا اس طرح ندوہ اور اہل ندوہ سے بابو بھائی مہتا کا تعلق برابر بڑھتا گیا جس کی وجہ سے راقم سطور سے دن بدن بے تکلف ہوتے گئے اور محبت و تعلق اتنا بڑھا کہ دیر دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا بابو بھائی چونکہ نیک اور شکر گزار بندوں میں سے تھے اس لئے والد صاحب کے ابتدائی دور کے حالات عسرت و تنگی اور محنت و مشقت کا تذکرہ بھی کرتے اور پھر حاصل شدہ نعمتوں پر بڑا شکر ادا کرتے۔ چنانچہ بابو بھائی میں ان تمام خصوصیات اور خوبیوں کے ساتھ جن کی ایک جھلک اوپر گذری ہم نے شکر وصبر کا ایسا جذبہ پایا جو خاص طور سے مالدار طبقہ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ اس لئے کہ مال کا نشہ شاید شراب سے بھی زیادہ تیز ہوتا ہے بقول ایک بزرگ کے کہ شراب کا نشہ تو تھوڑی دیر میں اتر جاتا ہے مگر جاہ و مال کا نشہ بڑھتا ہی جاتا ہے الا ماشاء اللہ۔

مگر بابو بھائی مہتا کا حال یہ تھا کہ مال جتنا بڑھتا جاتا تواضع و خاکساری، انفاق فی سبیل اللہ اور غرباء نوازی اتنی ہی بڑھتی جاتی۔

بابو بھائی کے صبر و شکر کا گہرا اثر راقم سطور کے دل پر اس وقت پڑا جب ایک دن اپنے آفس میں گھٹنوں کے نیچے دونوں مصنوعی پاؤں درست کرتے ہوئے نہایت شکر و سپاس کے انداز میں فرمایا: دیکھئے اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمارے پاؤں لے لئے لیکن ہاتھ سلامت ہیں اگر ہاتھ لے لیتا تو میں اپنے آفس کا کام کیسے کرتا یہ فرمانے کے بعد ان پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور فرمایا اگر اللہ تعالیٰ مجھے کتا بنا دیتا تو میں کیا کرتا، مارا مارا پھرتا، اس کا نہایت کرم ہے جس کا شکر نہیں ادا کر سکتا یہ کہتے کہتے ان پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، فرمایا آپ تو مضمون نگار ہیں تعمیر حیات نکالتے ہیں آپ شکر پر ایک مضمون لکھئے۔ یہ کہا اور فوراً ہی بال پن اور پیڈ دیا کہ آپ شکر پر مضمون لکھئے اور تعمیر حیات میں شائع کیجئے ہم نے قلم کاغذ تو لے لیا لیکن اپنی کم مائیگی تعمیل حکم کی متحمل نہ تھی مگر چونکہ خاص کیفیت میں ان کے دل سے نکلی ہوئی بات تھی اللہ تعالیٰ نے شکر کے موضوع پر مضمون لکھوا دیا اور تعمیر حیات میں شائع ہوا، یہ شمارہ جب بابو بھائی کو ملا تو اس مضمون کا فوٹو اسٹیٹ کرا کر احباب میں تقسیم کرایا۔

بابو بھائی کو اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کی نعمت سے خوب نوازہ تھا وہ اللہ کی راہ میں دیتے گئے اور دنیا ہی میں اضعافا مضاعفہ ہوتا گیا وہ آفس جو ڈونگری پر تھا ترقی کر کے اور زیادہ وسیع ہو کر ناگپاڑہ پولیس چوکی روڈ پر منتقل ہو گیا۔

دینی مدارس ، تحریکوں ، اداروں ، مساجد ٹیکنیکل اسکول غرض انسانی خدمت کے ہر شعبہ میں

حصہ لیتے، خفیہ طور پر بہت سے خاندانوں، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری فرماتے۔

عبرت کی نگاہوں سے پڑھئے اور ولی صفت صاحب مال و ثروت کے صبر و شکر کی داد دیجئے کہ جب دوسرا پاؤں کٹا اور اسپتال میں تھے تو انکے مرشد مولانا عبدالحلیم صاحب عیادت کو گئے۔ خود مولانا پر کیا اثر رہا ہوگا اور تسکین و تسلی کے کیا کیا الفاظ سوچتے ہوئے، اپنے محب و شیدائی کے پاس پہنچے ہونگے مگر داد دیجئے اس بندۂ سراپا صبر و شکر کی ادائے عاشقانہ کو کہ مولانا کو دیکھتے ہی بڑی بشاشت و مسرت کے ساتھ فرمایا: حضرت ہم نے اپنے پاؤں پہلے قبرستان بھیج دیئے مالک کا شکر ہے ہاتھ تو سلامت ہیں اپنے سارے کام کر سکتا ہوں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دل میں جو باتیں کھٹکتیں ان کے بارے میں سوالات بھی کرتے، ایک دن حضرت نے فرمایا اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کیا کیجئے۔ بابو بھائی نے جواب دیا حضرت میں ہر روز دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھتا ہوں، حضرت نے اپنے حکیمانہ انداز میں فرمایا: یہ تو ایک عادت بن گئی اللہ نے مال کی دولت سے نوازا ہے تو اس میں سے دینی کاموں میں خرچ کیا کیجئے یہ مال کا شکرانہ ہے۔ بابو بھائی نے ایک خطیر رقم حضرت کی خدمت میں پیش کیا حضرت نے اسی وقت اپنے ایک رفیق کار کو جو خود صاحب حیثیت بھی تھے اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں ان کا ہاتھ کھلا ہوا تھا (یعنی مولانا عبدالکریم پاریکھ جو مسلم پرسنل لابورڈ کے خزانچی تھے) کے حوالہ کر دیا اس وقت پرسنل لا کے سلسلہ میں ایک بڑی رقم کی ضرورت تھی بابو بھائی سے حضرت کا فرمانا ان سے فرط تعلق کی دلیل ہے اس لئے کہ یہ حضرت کے مزاج کے خلاف بات تھی حضرت تو ندوہ کے لئے بھی کبھی کسی سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ چنانچہ بابو بھائی نے اس کا فوری عملی جواب دیا۔

ایک دن حضرت کے پاؤں میں تکلیف تھی چلنا مشکل ہو رہا تھا بابو بھائی جب مجلس سے اٹھے تو حضرت کو خیال ہوا کہ ان کے دونوں پاؤں نہیں ہیں فرمایا بابو بھائی آپ کے دونوں پاؤں نہیں ہیں؟ بابو بھائی نے کچھ غور کئے بغیر جواب دیا حضرت اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ بے پاؤں والے کو چلاتے ہیں اور پاؤں والے کو چلنے سے روک دیتے ہیں بابو بھائی کے اس جملہ کا حضرت پر اتنا اثر پڑا کہ رات بھر نیند نہیں آئی، بابو بھائی کو حضرت سے غیر معمولی تعلق تھا، وہ حضرت کی عقابی نگاہ کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے جب حضرت کی طبیعت بہت خراب ہوئی تو بابو بھائی حضرت کی عیادت کے لئے لکھنؤ تشریف لائے ایک دن قیام رہا تو موقع غنیمت جان کر شاہد صاحب (جو حضرت کے اور نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب کے معتمد خاص تھے) اور ہمارے ساتھ دارالعلوم سے گیارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر موضع سکروری جہاں اب جگہ کی تنگی کی وجہ سے دارالعلوم کے ابتدائی درجات منتقل کر دیئے گئے ہیں اس کو دیکھنے گئے، اسی سے متصل حرا نام کی ایک کالونی بھی آباد ہو رہی ہے، جس میں اکثر ندوہ سے متعلق حضرات کے پلاٹ ہیں اور اس سے شاہد صاحب کو کافی دلچسپی ہے اس لئے بھی کہ پلاننگ کرنے والے حضرات سے شاہد صاحب کے اچھے تعلقات ہیں اور وہ حضرات بھی ندوہ کے بزرگوں سے گہرا ربط و تعلق رکھتے ہیں لہٰذا شاہد صاحب نے بابو بھائی کو حرا کالونی بھی دکھائی اور ایک پلاٹ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ جگہ مسجد کے لئے چھوڑی گئی ہے۔ بس اسی وقت بابو بھائی کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ مسجد اپنے مرشد کے نام سے تعمیر کرائیں چنانچہ مسجد کا پلاٹ جو چھوٹا تھا اس سے متصل پلاٹوں کو بھی خرید کر ایک وسیع مسجد تعمیر کرانے کا فیصلہ کر لیا یہ ان کے خلوص کی بات تھی کہ لکھنؤ میں وہ مسجد اپنی مثال آپ اور اس علاقہ کی جامع مسجد بن گئی اور مسجد سے متصل مدرسہ تحفیظ القرآن بھی قائم ہو گیا جو بابو بھائی کے خلوص وللہیت کا غماز ہے۔

بابو بھائی میں انفاق کی ان تمام صورتوں کے ساتھ جن کا تذکرہ گذرا خیر کو سمیٹنے اور دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھنے اور بھرپور کمائی کر لینے کا شوق و ولولہ تھا لہٰذا قرآن کریم کو نئے نئے انداز سے شائع کراتے چنانچہ حفظ قرآن کی رعایت کرتے ہوئے مخارج کو درست کرنے کی نشاندہی کی رعایت کرتے ہوئے الگ، سہولت کی رعایت کرتے ہوئے دس دس پاروں کے اجزاء الگ اور جلی حروف میں چھوٹے سائز میں الگ الگ پاروں کو چھپوایا از سر نو کتابت کرا کے بے شمار قرآن کریم چھپوائے اور مفت تقسیم کرائے یہ ان کا ایسا کارنامہ ہے جو آب زر سے لکھے جانے اور اصحاب ثروت کے لئے نیک کاموں میں عملی حصہ لینے اور اپنی کمائی کو ٹھکانے لگانے اور آخرت کے بینک بیلنس بڑھانے کا ایسا مثالی نمونہ ہے جس کی مثال حکومت سعودیہ کے علاوہ شخصی طور پر شاید کسی کے حصہ میں آئی ہو اور دعوت عمل دے رہی ہو بابو بھائی کی روح کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے ان کو نیکی کمانے کی ایسی حرص تھی جیسے لوگوں کو مال جمع کرنے کی حرص ہوتی ہے۔ (جس کی قرآن کریم نے بڑی مذمت کی ہے) چنانچہ دعاؤں اور وظائف کے رسالے بھی چھپوا کر خوب تقسیم کرتے تسبیح اور عصا تقسیم کرنے کا بھی ان کو بڑا شوق تھا۔

اسی کے ساتھ ساتھ دسیوں سال سے وہ پاؤں کی معذوری کے باوجود اہلیہ صاحبہ کے ساتھ پورا رمضان حرم شریف میں گذارا کرتے تھے۔ تراویح کی نماز میں پہلی صف میں بالکل حرم شریف کے سامنے ہوتے تھے عمرہ کے اس معمول کا بھی انہوں نے عجیب واقعہ سنایا فرمایا میں والدہ ماجدہ کے ساتھ عمرہ کو گیا ہوا تھا۔ چند ہی دنوں میں والدہ ماجدہ پر وطن واپسی کا شدید تقاضا پیدا ہوا میری طبیعت آمادہ نہیں ہو رہی تھی والدہ کا اصرار بڑھا اور فرمایا تو واپس چل۔ اللہ تعالیٰ تجھ کو بہت عمرے کروائے گا۔ لہٰذا واپسی کا فیصلہ کر لیا والدہ نے گھر کے بچوں کیلئے کچھ تحفے تحائف خریدے

اور واپسی ہوگئی گھر پہونچتے ہی سب کو بلا بلا کر تحفے تقسیم کئے اور تیسرے یا چوتھے دن اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو روانہ ہوگئیں۔ والدہ کی اسی دعا کی برکت ہے کہ اب میں ہر سال پورا رمضان حرمین شریفین میں گذارتا ہوں۔ کاروبار میرا ہونہار، نیک اور سعید بیٹا منصور دیکھتا ہے بابو بھائی کی طبیعت مئی سے کچھ زیادہ خراب رہنے لگی۔ ڈاکٹروں نے السر کی تشخیص کی علاج پورے اہتمام وفکر کے ساتھ جاری رہا اللہ نے سارے وسائل دئے تھے مگر مرض بڑھتا گیا جیوں جیوں دوا کی بالآخر آخر جون سے صاحب فراش ہوگئے۔ ستمبر سے حالت ناقابل اطمینان ہوتی گئی۔

۲۷ر ستمبر کو ان کے موجودہ اور چوتھے مرشد حضرت مولانا محمد رابع صاحب ناظم ندوۃ العلماء اور صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ حاجی عبدالرزاق اور برادرم شاہد صاحب کے ساتھ عیادت کو تشریف لائے۔ مگر اب بابو بھائی اس حال میں نہ تھے کہ کچھ بات چیت کرتے۔ ۲۹ ستمبر کو حضرت لکھنؤ کیلئے روانہ ہوئے اور اسی دن راقم سطور لکھنؤ سے بمبئی کیلئے روانہ ہوا تیس کو ۹ بجے رات پہونچا خیال ہوا کہ منصور بھائی کو فون کرکے خیریت معلوم کروں۔ لیکن رات کا وقت تھا تکلف ہوا آخر صبح کو عزیزی مولوی ابراہیم ندوی خلاف معمول فجر بعد ہماری قیام گاہ پر سویرے سویرے آئے میں چونکا اور اور خیریت پوچھی تو بتایا کہ لکھنؤ سے شاہد صاحب کا فون آیا ہے کہ بابو بھائی رات بارہ بجے کے بعد انتقال فرماگئے۔ نماز جنازہ سات بجے ہوگی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ برادرم مولوی فضل الرحمٰن ندوی اور ہم مولوی ابراہیم کے ساتھ روانہ ہوگئے اور نماز جنازہ و تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل ہوگئی، اللہ کا شکر ہے کہ جس مرد خدا سے ۳۴ سال کا قدیمی اور محبانہ و مخلصانہ تعلق تھا ہزاروں میل کے فاصلے سے جنازہ و تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔

نماز جنازہ مولانا ولی اللہ صاحب امام نور مسجد ڈونگری نے پڑھائی جن سے بابو بھائی کو غیر معمولی تعلق تھا اور مسئلہ مسائل انہیں سے پوچھتے اور عمل کرتے تھے، جزع فزع کے بجائے قبرستان میں نورانیت محسوس ہورہی تھی تقریباً ہر شخص کچھ پڑھ اور ایصال ثواب کررہا تھا تدفین کا عمل مکمل ہوا تو مولانا ولی اللہ صاحب نے بابو بھائی کے صوبہ گیسٹ ہاؤس کے امام مولوی ابوالوفاء سے کہا کہ آپ سرہانے کی طرف سے اور میں پینتانے کی طرف سے سورہ بقرہ کی آیات پڑھیں جن کا اس وقت پڑھنا مسنون ہے یہ دونوں حضرات بابو بھائی سے ان کی خوبیوں کے سبب دلی تعلق ومحبت رکھتے تھے اس لئے خلوص وکیفیت کے ساتھ پڑھا اس طرح نہیں جو کرایہ کے لوگ رسم ادا کرنے کیلئے پڑھ دیا کرتے ہیں اور اصحاب ثروت ایسا کراتے ہیں۔ ایک اور دیندار بزرگ اچھی اور مخلصانہ باتوں کی برابر تلقین کررہے تھے صورت آشنا تو تھا نام یاد نہیں۔ شعبان المعظم کی یہی وہ تاریخیں تھیں جس میں بابو بھائی مہتا اور اہلیہ عمرہ کو روانہ ہوتے تھے منصور بھائی نے بتایا کہ جس دن انتقال ہوا اسی دن عمرہ کیلئے ان کی فلائٹ تھی ان کا معمول تھا کہ واپسی کے بعد چھ ماہ قبل ہوٹل، فلائٹ اور ویزا وغیرہ کی کارروائی کرالیتے تھے۔ لیکن ہاتف غیبی نے آواز دی،

﴿یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی۔﴾

"اے اطمینان پانے والی روح اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی تو میرے "ممتاز" بندو میں داخل ہوجا اور میری بہشت میں داخل ہوجا۔"

اب ہم سے ملنے کا وقت آچکا ہے وہاں جانے کے بجائے ہمارے دامن عفو وکرم میں آجاؤ میرے بندے تو نے میری نعمتوں کا حق ادا کیا میرے اولیاء سے محبت کی میرے پریشان حال بندوں کو سہارا دیا میرے گھر کے خوب چکر لگائے۔ اب میرے پاس آجا اور جو کچھ کیا ہے اس کا وہ صلہ لے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا ہے۔ میرے پاس آجانے سے تیری آل واولاد کو دکھ ہوگا کہ ہم نے اپنے بندوں کا یہی مزاج اور طبیعت بنائی ہے لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہوجائے کہ تم کن بہاروں میں ہو تو سب کے چہرے خوشی سے کھل جائیں اور وہ اپنی زندگی اسی طرح گذاریں جس طرح تم گذار کر آئے ہو۔

بابو بھائی نے اپنی وفادار اور نیک سیرت رفیق حیات کے علاوہ، اپنے ہی جیسے سیرت وکردار کے مالک منصور جیسا فرزند چھوڑا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ان کو زندگی کے ہر میدان میں منصور وکامیاب فرمائے، دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارے) تین صاحبزادیاں بھی چھوڑی ہیں جو ماشاء اللہ اب سب کی سب دادی نانی بن چکی ہیں اور سب دیندار و پابند شریعت ہیں۔ اللہ سب کو سلامت رکھے اور ان کے اعمال کو بابو بھائی کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

انتقال کے تیسرے دن برادرم شاہد ندوہ کے نمائندہ کی حیثیت سے حضرت ناظم صاحب مولانا واضح رشید حسنی ندوی اور مولانا حمزہ صاحب ندوی کے تعزیتی خط کے ساتھ لکھنؤ سے تعزیت کیلئے آئے جن کا بابو بھائی اور منصور بھائی سے بہت خصوصی اور گھریلو جیسا تعلق ہے دو دن رہ کر واپس گئے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

بابو بھائی حیات فانی کی دنیا سے حیات جاودانی کی دنیا میں پہونچ گئے غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن ظاہری حالات نے سبق دیا کہ خوب گئے اہل مال و منال کیلئے بہترین نمونہ چھوڑ گئے۔ ع

انھیں کہتا مردہ کون یہ زندوں کے زندہ ہیں
کہ ان کی خوبیاں زندہ ہیں ان کی نیکیاں باقی

☆☆☆

ایک رپورٹ

عربی زبان: عرب وہند کے تعلقات کا مؤثر وسیلہ اور دین ودنیا کی تحسین کا بہترین ذریعہ

(جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ عربی میں "عربی زبان کی تعلیم اور توقعات" کے موضوع پر منعقدہ نیشنل سیمینار کے شرکا کی رائے۔)

عربی زبان، عرب وہند کے تعلقات کا وسیلہ، اور اسلامی علوم وفنون کی کنجی ہونے کے ساتھ ساتھ عرب وہند کے تعلقات کی استواری اور معاشی استحکام کا بہترین وسیلہ ہے، جس کی تعلیم وتدریس دنیا کی دیگر ترقی یافتہ زبانوں کی شکل میں ہونا لازم ہے، ان خیالات کا اظہار آج یہاں سعودی عرب کے سفیر عالی جناب صالح محمد الغامدی نے کیا، وہ یہاں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں عربی زبان کی تعلیم کی دشواریاں اور توقعات کے موضوع پر منعقد ہونے والے نیشنل سیمینار میں بحیثیت مہمان خصوصی خطاب کررہے تھے، سفیر محترم نے عرب وہند کے تعلقات کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے ہندوستانی اسکالر کی عربی کد وکاوش کو خصوصیت سے سراہا۔

شیخ الجامعہ پروفیسر مشیر الحسن نے اپنے افتتاحی کلمات میں خصوصیت کے ساتھ ملک کی مختلف یونیورسٹیوں سے آئے ہوئے عربی زبان وادب کے اساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کی طویل تاریخ وتہذیب پر عربی تمدن کے اثرات نمایاں ہیں، ان کی نشان دہی کے لئے عرب دنیا کی زبان، تاریخ اور تہذیب کا مطالعہ ضروری ہے۔ جامعہ ملیہ میں اس مقصد سے ہم نے مرکز دراسات مغربی ایشیا قائم کیا ہے، عربی زبان کے اساتذہ وطلبہ کو خصوصاً اس مرکز کے ذریعہ عرب ممالک کے لسانی، جغرافیائی، سماجی، سیاسی اور معاشی صورت حال کا مطالعہ اور تحلیل وتجزیہ کرنا ضروری ہے۔

کلیہ دراسات انسانیہ ولغات کے ڈین پروفیسر اختر الواسع نے ہندوستان میں عربی زبان وادب کے شاندار ماضی اور حوصلہ افزا تعلیمی وتحقیقی احوال کا جائزہ پیش کرتے ہوئے تمام اہل علم اور محققین کا خیر مقدم کیا۔

کلیہ تعلیم وتربیت کے ادارۂ دراسات علیا برائے تعلیم وتربیت کے صدر پروفیسر محمد اختر صدیقی نے عربی زبان کی بین الاقوامی حیثیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کو معاشی استحکام کا ایک اچھا ذریعہ بتایا اور کلیہ تعلیم وتربیت کے زیر اہتمام چلنے والے بی ایڈ برائے طریقۂ تدریس زبان عربی، وقتاً فوقتاً ہونے والے عربی زبان کے ریفریشر کورسیز اور عربی مدارس کے ہفت روزہ تربیتی پروگراموں کا تذکرہ کیا۔

۵۰ سال سے مسلسل ومتواتر بلاناغہ شائع ہونے والے مؤقر عظیم الشان ماہوار عربی رسالے کے ایڈیٹر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم ڈاکٹر مولانا سعید الاعظمی ندوی نے اپنے کلیدی خطبے میں عربی زبان اور اس کی تعلیم وتدریس کی عملی دشواریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، ان کے حل کی تدابیر اور مستقبل کی توقعات پر ایک جامع اور ہمہ گیر مقالہ پیش کیا۔

صدر شعبۂ عربی پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی نے سیمینار کا تعارف کراتے ہوئے عربی زبان کی اہمیت اور اس میں ہندوستانی اسکالرز کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالی، پروفیسر زبیر احمد فاروقی نے شرکائے اجلاس اور مندوبین کا استقبال کیا۔ پروفیسر رفیع العماد فینان نے کلمات تشکر پیش کیے، اور قاری محمد سلیمان قاسمی کی تلاوت کلام پاک سے جلسے کا آغاز ہوا۔

اس افتتاحی جلسے کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر ایوب تاج الدین نے ادا کیے۔ دو نئی کتابوں پروفیسر زبیر احمد فاروقی کی "علمی وادبی مطالعہ" اور ڈاکٹر محمد ایوب تاج الدین ندوی کی "الشعر والشعراء فی الادب العربی الحدیث" کا رسم اجرا بھی اسی نشست کے اندر عمل میں آیا۔

سیمینار کی پہلی نشست کا عمومی موضوع تھا "ہندوستان میں عربی زبان کی تعلیم وتعلم کی صورت حال"، جس کی صدارت مصر کے سفیر عالی جناب ڈاکٹر خیر الدین عبداللطیف محمد نے کی۔ نظامت کے فرائض پروفیسر فرحانہ صدیقی نے انجام دیے۔ اس نشست میں پانچ مقالے پیش ہوئے، (۱) "عربی زبان کی بین الاقوامی حیثیت" (پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی) (۲) "عربی زبان کا لسانیاتی تعارف" (مولانا نور عالم خلیل امینی)، (۳) "ہندوستان میں عربی زبان وادب کی صورت حال" (پروفیسر محمد اسلم اصلاحی) (۴) "عرب وہند کے تعلقات کی استواری میں عربی زبان کا کردار" (ڈاکٹر مصطفیٰ شریف)، (۵) "ہندوستان میں عربی دراسات وتحقیق" (پروفیسر محمد عبدالمجید)

دوسری نشست، قطری سفارت خانے کے سکریٹری جناب راشد مرزا المحمود الملا کی صدارت اور ڈاکٹر حبیب اللہ خان کی نظامت میں انجام پذیر ہوئی، جس میں ۶ مقالات پڑھے گئے: (۱) عربی

زبان کے نصاب ہائے تعلیم کا تجزیہ (پروفیسر سید کفیل احمد قاسمی)۔ (۲) اسلامی مدارس کے نصاب ونظام کا تنقیدی جائزہ (ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی)، (۳) مالا بار کے نصاب ہائے تدریس کا تجزیاتی مطالعہ (پروفیسر سید احتشام احمد ندوی)، (۴) مدھیہ پردیش کے کالجز اور یونیورسٹیز کے نصاب پر ایک نظر (پروفیسر محمد حسان خاں)، (۵) اچھی درسی کتاب کی خصوصیات (ڈاکٹر مجیب الرحمٰن)، (۶) عربی زبان کی تعلیم وتعلم میں کامل کیلانی کی لکھی ہوئی بچوں کی کہانیوں کی اہمیت (پروفیسر محسن عثمانی ندوی)۔

تیسری نشست کا مرکزی عنوان طریقۂ تدریس تھا، جو سفیر سوڈان جناب ڈاکٹر عبدالمحمود عبدالحلیم محمد کی صدارت اور ڈاکٹر عبدالماجد قاضی ندوی کی نظامت میں ہوئی، جس میں پانچ مقالات پڑھے گئے: (۱) عربی زبان کی تدریس کا تنظیری زاویۂ نگاہ (ڈاکٹر شاء اللہ ندوی) (۲) جدید اور ہمہ گیر عالمی زبان کی حیثیت سے عربی زبان کی تدریس (محمد قطب الدین ندوی)، (۳) لسانی صلاحیتوں کو بہتر بنانے کا طریقہ (ڈاکٹر عبد المعز) عربی تحقیق وریسرچ کے فروغ میں ہندوستان کا حصہ (ڈاکٹر مستفیض الرحمٰن)، (۵) دینی اداروں کے اردو بولنے والے بچوں کی عربی تعلیم (ڈاکٹر فیضان بیگ)۔

آخری الوداعی نشست کی صدارت کویت کے سفیر کبیر عالی جناب شیخ خلف عباس خلف کے لئے مخصوص تھی، جنھوں نے اپنی تشریف آوری سے جلسے کی رونق میں اضافہ کیا، مگر صدارت سفیر سوڈان گرامی قدر ڈاکٹر عبدالمحمود عبدالحلیم محمد نے کی۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر نسیم اختر ندوی نے انجام دیے، اور مختصر رپورٹ پیش کی۔ مندوبین کی جانب سے ڈاکٹر شفیع احمد ہاشم ندوی، ڈاکٹر محمد ولی اختر ندوی اور ڈاکٹر شاء اللہ ندوی نے تاثرات اور ملاحظات پیش کیے۔ پروفیسر سید محمد خالد علی حامدی نے شرکائے مذاکرہ کی منظور کردہ تجاویز وسفارشات پیش کیں، جن میں دہلی میں ایک مرکزی عربی کتب خانے کا قیام، سہ ماہی ادبی مجلے کا اجرا، اور تعلیمی، ادبی اور ثقافتی تبادلات جیسی تجاویز قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر فوزان احمد کے کلمات تشکر پر اس ایک روزہ قومی سیمینار کا اختتام ہوا۔

(شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)

دینی مدارس کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل

بین الاقوامی واسلامی جغرافیہ (محمد الیاس ندوی بھٹکلی)

دینی مدارس میں جغرافیہ وسائنس وغیرہ جیسے عصری علوم یا تو سرے سے نظر انداز کئے جاتے ہیں یا پھر اگر مدارس میں داخل نصاب بھی ہیں تو انہیں سرسری طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ اس ضرورت کی تکمیل کرنے والا سرکاری نصاب اس کے مرتب کرنے والوں کے مخصوص فکری وثقافتی مزاج کی وجہ سے مسلم طلباء کی ضروریات کو پورا کرنے سے نہ صرف قاصر ہے بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے نقصان دہ بھی، دینی وعربی مدارس اور مسلم اسکولوں کی اسی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے بین الاقوامی واسلامی جغرافیہ مرتب کی گئی ہے جس میں مختلف جغرافیائی چیزوں کا اسلامی نقطہ نظر سے بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ یہ کتاب ظاہری وباطنی دونوں حیثیتوں سے خوب ہے اور اس قابل ہے کہ مدارس واسکولوں میں پڑھائی جائے۔ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ حضرت مولانا سید رابع صاحب حسنی ندوی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس کتاب سے مسلمانوں کے سب مدارس کو فائدہ اٹھانا چاہئے خاص طور پر مسلم خاص طور پر مسلم مدارس کے نصاب کا اس کو ضروری جزء بننا چاہئے۔ مختصر مدت میں الحمدللہ بین الاقوامی واسلامی جغرافیہ کے پانچ ایڈیشن شائع ہوئے، اس دوران یہ ملک کے مختلف مدارس میں داخل نصاب ہوئی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور اس کے ملحقہ مدارس نے اس کو اپنے یہاں عالیہ اولیٰ (پنجم) میں شامل کیا، اس کے علاوہ ملک کی مختلف ریاستوں کے متعدد دیگر دینی مدارس نے بھی، پاکستان سے بھی اس کی اشاعت ہوئی اور وہاں بھی کئی مدارس میں داخل نصاب ہوئی، اس کے علاوہ افریقہ کے کئی مدارس نے بھی اس کو اپنے یہاں نصاب میں شامل کیا۔

اس پانچویں ایڈیشن میں الحمدللہ کئی اہم اضافے کئے گئے ہیں اور جدید خلائی تحقیقات اور نئی جغرافیائی دریافتوں کی روشنی میں کئی نئے ابواب بھی اس میں شامل کئے گئے ہیں، اس طرح یہ ایڈیشن ضخامت میں پچھلے ایڈیشن سے دوگنا ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ یہ کتاب ہمارے دینی مدارس کے طلباء کو پانچویں تا بارہویں تک کے درجات کی جغرافیائی کتابوں سے بے نیاز کردے گی۔ قیمت صرف ۴۰ر

ملنے کا پتے

مولانا ابوالحسن ندویؒ اسلامک اکیڈمی پوسٹ بکس نمبر ۳۰ بھٹکل، کرناٹک

مکتبہ ندویہ دارالعلوم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس نمبر ۹۳، لکھنؤ

Mob. : 9415090544, Shop : 2627446, Res. : 2254796
------{ پروپرائٹر : ولی اللہ }------
WALI ULLAH JEWELLERS
ولی اللہ جویلرس
All Kinds of Gold, Silver & Diamond Jewellery
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow - 226 018

قنوج کے قدیم مشہور ومعروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ واعلیٰ شمامۃ العنبر
☆ عطر گلاب ☆ روح خس ☆ عطر موتیا ☆ عطر حنا ☆ عطر گل ☆ عطر کیوڑہ
☆ اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔
ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں فون: 234445
محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر
ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر، قنوج یوپی آئیڈیل پرفیوم سنٹر (پرائیویٹ لمیٹڈ) قنوج

کلونجی تیل
اصلی تیل کی پہچان، مور کا نشان۔ کلونجی تیل ودیگر پروڈکٹس سے کینسر، شوگر، بلڈ پریشر، پیٹ کے جملہ امراض، جوڑوں کے درد وغیرہ کے مریض شفایاب ہو رہے ہیں۔
سپر اسٹاکسٹ
حرمین ٹریڈرس
مسجد مرکز، کچہری روڈ، امین آباد، لکھنؤ
موبائل 9415750289 فون 0522-2617956
دوکاندار، یو۔ پی اضلاع میں ایجنسی کیلئے رابطہ کریں۔

IZHARSON PERFUMERS
Phone : 0522-2255257
اظہارسن پرفیومرس
لکھنؤ کے قدیم مشہور ومعروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق کیوڑہ، عرق گلاب، اگربتی، ہربل پروڈکٹ
کی ایک قابل اعتماد دکان
ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں
اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ ۳
تیار کردہ
Izharson Perfumers
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-226003
E-mail : izharsonperfumers @yahoo.com

Maqbool Mian Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow.
Phone : 2618636, 2258506
Mobile : 9415001207

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coat-Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں
menmark ®
Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow
Phone (S)2616946, (R)2627443